Kulyate Zafar
(part 2)

کلیاتِ ظفر

(حصّۂ دوئم)

شاعری

ظفر

مشورہ
بکس

ناشران مشورہ بک ڈپو
رام نگر، گاندھی نگر۔ دہلی 31

مطبوعہ ڈائمنڈ آفسٹ پریس دہلی

قیمت فی کتاب ایک روپیہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

KULIAT-E ZAFAR – II PART – POETRY –ZAFAR

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جبکہ ہوتا ہے دِل مرا بیتاب ۔۔۔ تو سنبھالا ذرا نہیں جاتا
محوِ حیرت ہوں صورتِ تصویر ۔۔۔ کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا
بادۂ عشق سے ہیں جو مخمور ۔۔۔ اُن کا ہرگز نشہ نہیں جاتا
اُڑ کے جاؤں ظفر وہاں لیکن !
بے پر و بال اُڑا نہیں جاتا

جو تیرے آتشیں رُخ پر نہ خطِ عنبریں ہوتا ۔۔۔ تو آتش سے دُھواں پیدا نہ عالم میں کہیں ہوتا

مطلع ثانی

مِرے نالوں سے پتھر موم بھی اے نازنیں ہوتا ۔۔۔ مگر دِل میں اثر تیرے نہیں ہوتا نہیں ہوتا
کہاں جا سکتا چُھپ کر مجھ سے ظالم تو جہاں جاتا ۔۔۔ برنگِ سایہ پیچھے پیچھے تیرے میں وہیں ہوتا
تری دُوری میں کیا کیا سُوجھتی ہے دُور کی مجھکو ۔۔۔ عیاں ہے حال مجھ پر دُور کا بے دُوربیں ہوتا
ترے مضمونِ خالِ لب کے آگے مانتا چیں ہو ۔۔۔ تری محفل میں گر کیسا ہی کوئی نکتہ چیں ہوتا
دِکھاتا کان کا بالا جو تو رُخسار پر اپنے ۔۔۔ ترے حلقہ بگوشی میں مہِ ہالہ نشیں ہوتا
ہمارے پیچ و تابِ دِل کی بیتابی تو دیکھو ۔۔۔ کہ ہم کو دیکھ کر ہے اور وہ چیں بر جبیں ہوتا
لپٹتا اے ظفر اُس کو نہ دودِ آہ گر میرا
تو کاہے کو کھڑا یہ خیمۂ چرخِ بریں ہوتا

دیگر

بلا سے گر نہ ہوا دل کا داغ گل نہ ہوا　　پر اپنے گھر کا یہ روشن چراغ گل نہ ہوا
چمن میں قصد کیا ہے کشتی کا کب تو نے　　کہ لے کے سامنے حاضر ایاغ گل نہ ہوا
کیا ہزار شگفتہ بہار نے لیکن!　　خزاں کے ڈر سے کبھی با فراغ گل نہ ہوا
نہ ٹپکے خار پہ مجنوں کے پاؤں سے تا خون　　نمود اک سرِ داماں راغ گل نہ ہوا
گیا جو تو تو مقابل تری نزاکت کے　　چمن میں اے بتِ نازک دماغ گل نہ ہوا
بہار آئی مگر جب تلک نہ تو آیا　　چمن میں رشکِ چمن باغ باغ گل نہ ہوا

غش اس پہ میں ہوں غیر اے ظفر کہ جز بلبل
بہار میں کبھی مرغوبِ زاغ گل نہ ہوا

دیگر

کوئی صنم اسے سمجھا کوئی خدا سمجھا　　نہ سمجھے ہم کہ وہ کیا سمجھا اور یہ کیا سمجھا
نہ آیا دل کی سمجھ میں کہ بارِ غم ہے گراں　　اگرچہ میں نے دیا اس کو بارہا سمجھا
چڑھا جو اشک کا دریا مرے تو اک جہاں　　فلک کے خیمے کو پانی کا بلبلا سمجھا
بنایا رخ پہ ہے کیوں تو نے خال کاجل کا　　یہ نکتہ میں نہیں اے شوخ مہ لقا سمجھا
نہ سمجھے سینے کو کیوں عرصۂ محشر وہ　　جو دل کے داغ کو خورشید حشر کا سمجھا
غمِ جدائی میں موت اس کو عین رحمت ہے　　مریضِ ہجر تیرا زہر کو دوا سمجھا
ہمیشہ کیوں تری آنکھوں سے اشک جاری ہیں　　ظفر نہیں بھی ذرا یہ تو ماجرا سمجھا

اے ستمگر کس نے ایسا تجکو نٹ کھٹ کر دیا　　ان غریبوں نے ترے عالم کو تلپٹ کر دیا
صبحِ گل اس کا کھلا تو نے جو ہم کو دیکھ کر　　رات کو اپنا چراغِ خانہ گل جھٹ کر دیا

کرتے ہیں پانی کی آمیزش شرابِ ناب میں
خوں دل سے آنسوؤں کو ہم نے غٹ پٹ کر دیا

کھل گئیں یکبارگی آنکھیں سبھی مہر و ماہ کی — جبکہ اپنے منہ سے تو نے دور گھونگھٹ کر دیا
جو ترے کوچہ میں سویا خاک پر آرام سے — ترک اس نے اپنے سونے کا چھپر کھٹ کر دیا
یہ تو لٹکا خوب سیکھی ہے جسے چاہا اسے — تم نے سودائی دکھا کر زلف کی لٹ کر دیا
اشک کے قطرے لئے جاتے ہیں بھر بھر کر سبو — جوشِ گریہ نے مری آنکھوں کو پنگھٹ کر دیا
دل فقیری سے صفا کر اس سے کیا حاصل اگر — تو نے داڑھی کو بڑھایا یا صفا چٹ کر دیا

ہوتا ہے چرچا محبت کا لگاوٹ سے ظفر!
ہم نے رسوا آپ کو واں بے لگاوٹ کر دیا

تیری گلی سے عاشقِ زار اٹھ کے رہ گیا — اٹھا تھا ناتواں سا غبار اٹھ کے رہ گیا
دنیا میں اک جہان کو بہا سیلِ اشک سے — پر دل میں میرے جوش سا یارو اٹھ کے رہ گیا
گنبد بنا نہ گور پہ مجنوں کے دشت میں — اکثر بگولا گرد مزار اٹھ کے رہ گیا
رخ سے اٹھا کے زلف جو پھر اس نے چھوڑ دی — دل پر سے پردۂ شبِ تار اٹھ کے رہ گیا
گر کر سنبھل سکا نہ ترا زخمیِ نگاہ — دیکھا یہ تیر خوردہ شکار اٹھ کے رہ گیا
رکھ ہاتھ سے نہ جام و صراحی اٹھا کے تو — ساقی بلا سے ابرِ بہار اٹھ کے رہ گیا

بھڑکی ہے بے طرح یہ ظفر آج دل کی آگ
آگے تو شعلہ سا کئی بار اٹھ کے رہ گیا

دیگر

شعلہ جو اک بات تو میری نہ اگر سن گیا — تیری باتوں سے کلیجہ جل گیا دل بھن گیا

مطلع ثانی

آ کے پروانہ ہی کیا اس بزم میں جل بھن گیا — شمع بھی یہاں رو گئی شعلہ بھی یہاں سر دھن گیا
گر جیا بھی کوئی دلِ مفتون تمہاری چشم کا — بنکے آہو کی طرح وحشی وہ [illegible] چھن گیا
جا بیٹھے اس در پہ اور دھونی لگا کر بیٹھے — جو گیا دل سوختہ واں باندھ کر یہ دھن گیا
نام جس کا رہ گیا کچھ اس کا گن باقی رہا — ورنہ جو یہاں سے گیا سارا تو اسکے ہمراہ گن گیا

میں صبا وہ طائر بے طاقت اس گلشن میں ہوں ایک پر جس کا نہ اڑ کر تا سر گلبن گیا
ہاتھ اٹھایا سینہ کاوی سے نہ میں نے عشق میں اے جنوں! جب تک نہ میرا ٹوٹ ہر ناخن گیا
واسطے بے مغز کے کیا خاک ہو نشو و نما سبز ہو سکتا نہیں وہ جو کہ دانہ گھن گیا

جاگ اٹھا خواب عدم سے یک بیک سارا جہاں
کان میں جس دم ظفر خالق کا امر کن گیا

دیگر

گر فلک تک یہ ہمارا نالۂ دل جائیگا کنگرہ عرش معلیٰ کا ابھی ہل جائیگا
غم نہیں جائے گا تیرا جب تلک ہے دم میں دم دم کے ساتھ آیا ہے یہ اور دم کے شامل جائیگا
رشک گلزار ارم ہو جائیگا کوچہ ترا چشم پر خوں سے ٹپکے جب یہ تیرا مائل ہو جائیگا
ہو گئے ہیں ساتھ جو تیرے یہیں تک ہیں وہ ساتھ آیا یہاں تنہا ہے تو تنہا ہی غافل جائیگا
گوہر دنداں پہ تیرے ہونگے جب انجم نثار عارض روشن کے صدقے ماہ کامل جائیگا
اٹھ کے جائیگا تری محفل سے جب اے شعلہ خو چشم تر ہی وہ مثال شمع محفل جائیگا
میں چمن میں بھی رہوں گا دل گرفتہ اے صبا دل نہیں ہے میرا وہ غنچہ کہ جو کھل جائیگا
جان شیریں جائیگی اپنی مثال کوہکن پر نہ تیرا شوق اے شیریں شمائل جائیگا
تیرے کوچہ سے کہاں جائیگا تیرا خاکسار مثل نقش پا وہیں یہ خاک میں مل جائیگا

ہو دیگی اس روز برپا کیا قیامت اے ظفر
خاک پر جس دن شہیدوں کے وہ قاتل جائیگا

غضب ہے جو کہے یہ چپکے رہنا کچھ نہیں اچھا نہ کہنے میں مزا ہے منہ سے کہنا کچھ نہیں اچھا
جنہوں سے دوستی کی وہ ہمارے ہو گئے دشمن قصور ان کا نہیں ہے اپنا لہنا کچھ نہیں اچھا
ستم اس یار کا سہتے پہ سہنا اے دل اچھا ہے و لیکن بات کا غیروں کے سہنا کچھ نہیں اچھا
محبت کی پڑیں گر بیڑیاں پاؤں میں زیبا ہے نہ کہنا چاہیئے ہرگز یہ گہنا کچھ نہیں اچھا
جہاں تک رک سکے اس گریہ کا ہی روکنا اچھا ہمیشہ اشک کا آنکھوں سے بہنا کچھ نہیں اچھا

خطِ شبرنگ تیرا خوشنما ہے میرے عارض پر　　وگرنہ چاند کا عالم میں گہنا کچھ نہیں اچھا

مثل یہ اے ظفر ہے نکلی ہونٹوں اور چڑھی کوٹھوں
نہیں کہنے کی جو بات اس کا کہنا کچھ نہیں اچھا

دیگر

چال اس زلف نے ایسا کسی ڈھب کا مارا　　ہو گیا دل یہ گرفتارِ غضب کا مارا
پھر گیا منہ ترا عقبیٰ سے کہ حبِ دنیا نے　　اک طمانچہ ہوسِ عیش و طرب کا مارا
دل پہ مارا تھا کبھی جوڑ سے نے تیرے مکا　　یاد اب تک ہے وہ مکا مجھے جب کا مارا
وہ مئے عیش سے سرخوش ہیں بلا سے انکے　　کوئی مرتا ہے اگر رنج و تعب کا مارا
توڑ کر آئینۂ دل کو مرے وہ شۂ حسن　　یوں جو خوشنود ہے کیا شہرِ حلب کا مارا
دل مرا بیچے مکرنے لگے معلوم ہوا　　مال اسی طرح سے ہے آپ نے سب کا مارا
دل نے کی مصحفِ رخ سے ترے کب بے ادبی　　کہ تری زلف نے کوڑا نہ ادب کا مارا
لبِ عیسیٰ سے نہ ہرگز ہو طلبگارِ دعا　　اے ستمگار ترے جنبشِ لب کا مارا
بیٹھے آرام سے کیا کنجِ قناعت میں حریص　　اے ظفر پھرتا ہے دنیا کی طلب کا مارا

کیونکہ دل ماہِ جبیں تجھ سے ہمارا ملتا　　کہ نہیں آپ کا اور میرا ستارا ملتا
تری صورت سے ملا کر مہِ کنعاں کی شبیہ　　دیکھا کچھ فرق نہیں نقشہ ہے سارا ملتا
لے کے دل پھیر دیا تم نے نہ مانگو اب دل　　ٹیکے کیا رہیں پھر یہ دوبارہ ملتا
یوں ہوئی عید تو کیا عید تو ہاں جب ہوتی　　کہ گلے میرے وہ آکر مرا پیارا ملتا
مجھ کو وہ زلفِ سیہ ہی سنگھا دے اپنی　　نہ ملے گر چہ نہیں عنبرِ سارا ملتا
ڈھونڈ کر تیری کمر کو ہوئے ہم ایسے گم　　مثلِ عنقا نہیں اب کھوج ہمارا ملتا
دست و پا میں جو لگاتے ہو تم اپنے مہندی　　کیا نہیں خون کسی عاشق کا نکارا ملتا
ہوتے پیدا ہیں وہاں مار سجیلے سنبل　　ہے جہانِ خاک میں اس زلف کا مارا ملتا
دست و پا مارتے ہیں گرچہ ظفر ہم لیکن　　نہیں دریائے محبت کا کنارا ملتا

ہوگا کیا دشمن اگر سارا جہاں ہو جائیگا ۔ جبکہ وہ بے مہر ہم پر مہرباں ہو جائیگا
گر ہوا اِس آہ سوزاں کا کوئی شعلہ بلند ۔ دیکھ لینا خاک جلکر آسماں ہو جائیگا
اے پری رو اپنی صورت تو دکھائیگا جسے ۔ صاف وہ حیرت زدہ آئینہ ساں ہو جائیگا
وہ جو دل میں لگ رہی ہے آگ بجھنے کی نہیں ۔ چشم تر سے گرچہ اِک دریا رواں ہو جائیگا
دیکھتا اُس چاند کے ٹکڑے کو کیونکر جاتا ۔ ٹکڑے ٹکڑے دل مرا مثلِ کتاں ہو جائیگا
اے جنوں تیری بدولت نام میرا آخرش ۔ دشت میں ہر خار کے ورد زباں ہو جائیگا
باز آ اِس خونفشانی سے کہیں اے چشم تر ۔ دیکھ میرا رازِ دل سب پر عیاں ہو جائیگا
اے تغافل کیش کی تو نے اگر آنے میں دیر ! ۔ کام آخر تیرے عاشق کا یہاں ہو جائیگا
کرتے ہیں دعویٰ محبت کا جو اِس سفاک سے ۔ اے ظفر اِک روز اُن کا امتحاں ہو جائیگا

ہمارا اُن کا ہے جس دم مقابلہ پڑتا ۔ نہیں کلام کا غیروں کو حوصلہ پڑتا
فراقِ یار میں ہوویگی زندگی کیونکر ۔ کہ پیچھے جان کے یہ غم تو ہے بلا پڑتا
یہ سوزِ دل سے مِرا اشک گرم ہے کہ جہاں ۔ بدن پہ گرتا ہے وہاں ایک آبلہ پڑتا
سناتے نالۂ پُردرد ہم اگر اپنا ۔ تو بلبلو ابھی صیاد بلبلا پڑتا
نصیب ہوتے بھلے اپنے گر محبت میں ۔ تو بد معاملہ سے کیوں معاملہ پڑتا
اسیرِ زلف ترا ہے یہ قید سے مانوس ۔ کہ چین ہے نہیں بے طوق سلسلہ پڑتا
بلا سے تیرے جو اُلجھے وہ زلف فتانہ سے ۔ تو اُس کے پیچ میں ہے کس لئے دلا پڑتا
رفیقِ راہِ محبت کدھر گئے یارب ۔ کہیں نظر ہی نہیں اب یہ قافلہ پڑتا
ٹھٹھا ہے جیسے کہ آتا ہے کوئی رشکِ بہار ۔ برنگِ غنچہ ہے دل اے ظفر کھلا پڑتا

دیگر

ہم نے حال اُس سے دلِ زار کا کہہ کیوں نہ دیا ۔ ماجرا دیدۂ خونبار کا کہہ کیوں نہ دیا
یہاں آنے سے جو اِنکار کیا آپنے رات ۔ تھا جو پیارے سبب انکار کا کہہ کیوں نہ دیا

جو کہ پیغام زبانی تھا وہ تو نے قاصد　　دیکے خط اُن کو خطا وار کا کہہ کیوں نہ دیا
کہا یاروں نے مجھے تیغِ اجل کا کشتہ　　مارا اُس ابروئے خمدار کا کہہ کیوں نہ دیا
گئے تھے حضرتِ دل حال تم اپنا کہنے　　ڈر نہ تھا تم کو اگر یار کا کہہ کیوں نہ دیا
پوچھا اُس نے مرے غمخوار سے میرا احوال　　ہو بُرا اُس مرے غمخوار کا کہہ کیوں نہ دیا
سوجھتے تم کو ظفر لاکھوں مضامین رنگیں
وصف اُس کے گلِ رخسار کا کہہ کیوں نہ دیا

کنارہ کش جو تو اے پُر غرور ہم سے ہوا　　جتائی ہم نے محبت قصور ہم سے ہوا!
ہزاروں دل میں تھے مطلب ہمارے پر مُنہ سے　　بیاں نہ ایک بھی اُن کے حضور ہم سے ہوا
کیا اللہ نے محبت کے اِس قدر مسرور　　تمام عمر نہ زائل سرور ہم سے ہوا
کرے ہے منع جو تو ہم کو عشق سے ناصح　　نہ کام ترک کب اے بے شعور ہم سے ہوا
بہشت بھی ہمیں ہوگی جحیم اے ساقی　　ہضم پیالہ نہ وہ رشکِ حور ہم سے ہوا
بڑا رفیق تھا لیکن تری جدائی میں　　جدا ہمارا دلِ ناصبور ہم سے ہوا
ہم اُس سے آپ رہے دور اپنی غفلت میں
وہ اے ظفر نہ کسی وقت دور ہم سے ہوا

دل کو بوسہ پہ سمجھ تو نہ مری جاں مہنگا　　مال اِس مول نہیں یہ کسی عنوان مہنگا
تیرے اِک تار کی قیمت میں جو دوں چین و تتار　　تو بھی سودا نہ ہو اے زلفِ پریشاں مہنگا
روبرو اُس لبِ پان خوردہ کے کچھ مال نہیں　　کیا ہوا اگرچہ بکا لعلِ بدخشاں مہنگا
جان تک بھی اگر تو دیجے اُس کو اے دل　　نہ کہوں میں کہ لیا تو نے یہ پیکاں مہنگا
کہو قاتل سے کرے ہاتھ لہو سے رنگیں　　نہیں مہندی سے سوا خونِ شہیداں مہنگا
کر دیا آنسوؤں نے میرے یہاں تک بے آب　　ایک کوڑی پہ بھی ہے اب دُرِ غلطاں مہنگا
گر ظفر ایک نگہ پہ تیرا ہو جائے غلام　　چھوڑیو مت کہ نہیں تجھ کو یہ انساں مہنگا

دیگر

ساقی ہے نشہ آنکھوں میں معمول سے ہلکا / نظروں میں ہے اب رطلِ گراں پھول سے ہلکا
ہر بات میں تو ایک بھی ہے لاکھ پہ بھاری / گر بات کو اپنے نہ کرے طول سے ہلکا
ہے جامہ تکلف کا پسندیدۂ احمق / ہوگا نہ گدھا یہ کبھی اِس جھول سے ہلکا
اچھا کیا سر تو نے مرے تن سے اُتارا / اب کوئی نہیں اِس ترے مقتول سے ہلکا
جز تارکِ دنیا ہو ہوس سے نہ سبکدوش / یہ بوجھ نہ دنیا کے ہو مشغول سے ہلکا
صرفہ نہیں کاغذ کا مگر بھیجتے ہیں وہ / خط ڈاک میں اندیشۂ محصول سے ہلکا
دُنیا میں ظفر جو ہے گرانبارِ جہالت
کب ہوتا ہے وہ مردمِ معقول سے ہلکا

دیگر

وہ تنہا آئے تھے گر کچھ بھی قابو رات پڑ جاتا / بلا سے کچھ ہی ہوتا لیکن اُن پر ہاتھ پڑ جاتا
اگر ہم روکتے یارو نہ اپنی اشکباری کو / جہاں میں تہلکہ یہ دیکھ کر برسات پڑ جاتا
عدو کرتا بھلا استادگی کیا سامنے میرے / اگر پڑ جاتی اُس پر ایک میری لات پڑ جاتا
بچانا جان کا ہوتا ہے مشکل غم کے ہاتھوں سے / جب اے دل جان کے پیچھے ہے یہ بدذات پڑ جاتا
عدو سے کچھ کہا اور مجھ سے آکر کچھ کہا تُو نے / نہ کیونکر فرق دل میں سُن کے ایسی بات پڑ جاتا
مزے کیا کیا چکھاتی دیکھتے زاہد کو دخترِ رز / جو اُس مُردار کے پالے یہ خوش اوقات پڑ جاتا
وہ برہم ہو بلا سے تو نہ چھیڑی زلف کیا ممکن / یہ لپکا تجھ کو کیسا ہے ظفر ہیہات پڑ جاتا

جُز بادہ ہمیں بادہ پرستی میں نہ سُوجھا / کچھ سُود و ضررِ عالمِ مستی میں نہ سُوجھا
جا بیٹھا ہے صحرا میں عبث شہر سے زاہد / کیا سُوجھے گا جنگل میں جو بستی میں نہ سُوجھا
پستی میں جو دیکھا وہ بُلندی میں نہ دیکھا / سُوجھا جو بُلندی میں وہ پستی میں نہ سُوجھا
اللہ رے ستمگار ترے چین دو ابرو / جوہر یہ کسی تیغ دو دستی میں نہ سُوجھا

نرگس کی روش آنکھ ظفرؔ ہم نے جو کھولی
اُس گُل کے سِوا گُلشنِ ہستی میں نہ سُوجھا

جہاں تھے پہلے ہم اب وہ مکاں پایا نہیں جاتا !
اگر ڈھونڈیں نشاں اُس کا، نِشاں پایا نہیں جاتا
خیال اپنا فلک پر جا چڑھا کیونکر خُدا جانے
یہ ہے وہ بام جِس کا نردباں پایا نہیں جاتا
جہاں ہے خوب وہی ہے جہاں ہم کو سدا رہنا
مگر یہاں وہ جہانِ جاوداں پایا نہیں جاتا
پھرے کھٹکا نہ کیونکر طائرِ دل بہرِ آسائش
کہ اِس باغِ جہاں میں آشیاں پایا نہیں جاتا
شرارہ نالۂ دِل سے ستاروں کی ہے یہ کثرت
کہ تل دھرنے کو خالی آسماں پایا نہیں جاتا
پھرے سر مارتا دِل کیوں نہ کوئی زُلف میں تیرے
کہ ہے ظلمات میں رستہ نہاں پایا نہیں جاتا
کہو گے حالِ دِل اپنا ظفرؔ کیا مہجبینوں سے
کہ اِن کا تو دماغ اے مہرباں پایا نہیں جاتا

کھا کھا کے تیرِ غم یہ مرا حال ہو گیا
سینہ تمام سینۂ غربال ہو گیا
زُلفوں کو اُس نے ہاتھ لگانے دیا نہیں
کچھ دستگیر اپنا جو اقبال ہو گیا
کوئی درختِ زُلف کی آشتہ کے خاک سے
پیدا ہُوا نہ ایک مگر جال ہو گیا
جلنے کا دِل کے غم ہے نہیں اور غم مجھے
غارت بلا سے گرچہ زر و مال ہو گیا
رنگِ شفق نہیں ہے کسی پر مگر فلک
گرمِ غضب ہوا ہے جو مُنہ لال ہو گیا

عاشق ہوا جو یار کے طرزِ خرام پر آخر کو رفتہ رفتہ وہ پامال ہوگیا
وقتِ نظارہ روئے مصفا پہ یار کے
عکس اپنی مردمک کا ظفرؔ خال ہوگیا

کدورت دل میں ہے ظاہر صفائی گر ہوئی تو کیا؟
ملاپ اُن سے ہُوا تو کیا، جُدائی گر ہُوئی تو کیا
ارے ناآشناؤ! پھر وہی ناآشنا ہو تم!
کسی کی تم سے دو دن آشنائی گر ہُوئی تو کیا
بنایا ہے صنم جس نے انہیں سجدہ اُسی کو ہے
بُتوں کے سنگِ در پہ جبہہ سائی گر ہُوئی تو کیا
جوانی کیسی طاقت کوئی ہو سکتی ہے پیری میں؟
کسی تدبیر سے حاجت روائی گر ہوئی تو کیا
لڑائی جاتی ہے وہ آنکھ دیکھو اب بھی غیروں سے
مری اِس بات پر اُن سے لڑائی گر ہوئی تو کیا
نہیں پرواز کی صیاد بال و پر میں جب طاقت
قفس سے ہم اسیروں کو رہائی گر ہوئی تو کیا
رہی پروا ہے جب ہرگز نہ کچھ شکر و شکایت کی
بھلائی گر ہُوئی تو کیا، بُرائی گر ہُوئی تو کیا
پہونچ سکتی نہیں فریاد اس مہوش کے کانوں تک
فلک تک آہ کو میری رسائی گر ہُوئی تو کیا
نہ چھوڑی اُس بُتِ کافر کی ہرگز دوستی میں نے
ظفرؔ دشمن مری ساری خُدائی گر ہُوئی تو کیا

دیگر

حرف اُس پہ نہ آئے جو ہو تحریر کا سانچا　　جھوٹا ہو نہ ہرگز کبھی تقریر کا سانچا
ڈھلتا ہے سدا اس سے جو یہ آہ کا مصرع　　کیا دل ہے ترے عاشقِ دلگیر کا سانچا
دیتا ہے لبِ زخمِ جگر میرا گواہی　　ہے ہاتھ پڑا یار کے شمشیر کا سانچا
ڈھالا تجھے سانچے میں ہے اے عالمِ تصویر　　ہے قدرتِ صانع تری تصویر کا سانچا
کی آہ و فغاں دل نے بہت عشق میں لیکن　　دعوےٰ نہ ہوا ایک کی تاثیر کا سانچا
یہ شمع اِس سانچے میں ڈھلتی ہے ہمیشہ　　ہے سینہ مرا نالۂ شبگیر کا سانچا

سانچا ہے ظفرؔ پر مرا مجھ کو یقیں ہے
ہر قول سے واللہ مرے پیر کا سانچا

دیگر

جوں کو کاکل و زلف دوتا نے ستایا　　تو جان کو غمزہ و ناز و ادا نے ستایا
بہار دیکھ کے اپنی ذرا ہنسا تھا گُل　　لگایا ایسا طمانچہ صبا نے ستایا
کیا تھا بلہوسوں نے بھی عشق کا دعویٰ　　مگر اُنہیں ترے ظلم و جفا نے ستایا
لگایا دخترِ رز کو اگر کسی نے منہ　　تو اُس کو خوب ہی اُس بے حیا نے ستایا
اُٹھاؤ کرتی ہیں شربت پہ مکھیاں بھن بھن　　مریضِ غم کو طبیب و دوا نے ستایا
شبِ فراق میں آئیں جو یاد وہ زلفیں　　تو اس کو مجکو ہجومِ بلا نے ستایا
مجھے یہ کہتا تھا ناصح کہ دل نہ دیجو کہیں　　دکھایا غمزہ جو اُس دلربا نے ستایا
نہ تھا کسو کے بھی قابو کا یہ بشر لیکن　　قضا نے اُس کو دبایا فنا نے ستایا

ستم سے ہم نہیں اس بیوفا کے گھبراتے
ظفرؔ ہمیں تو ہماری وفا نے ستایا

دیگر

دیکھ کر مثلِ الف وہ قدِ رعنا سیدھا　　دل سے نکلا مرے جو نالہ تو نکلا سیدھا
نہ ہوا گردنِ دلدار میں خم یوں میں رہا　　مدتوں بہرِ دعا دستِ تمنا سیدھا

کج ادا ایسا کیا حُسن کی دولت نے اُسے — بولتا بھی نہیں وہ شوخ خود آرا سیدھا
باتیں کرتا ہے عدو مجھ سے جو ٹیڑھی سیدھی — ایک دن خوب یہ کج بحث بنے گا سیدھا
خانۂ اُس زُلف کے کُوچے میں کہ ہے خم و خم — دلِ شامت زدہ لے مانگ کا رستا سیدھا
اے کمان دار تیرے تیر کے قرباں ہوں کیوں — چھُوٹتے ہی مرے دل کی طرف آیا سیدھا
طرز ٹیڑھی ہے سُخن کی تیری کس سے ہو ادا
ظفر انداز ہے یار دل کا تو سیدھا سیدھا

بنا ہے جو رُخِ مہوش پہ تل پری ہے بنا — کوئی ہے زہرہ بنا کوئی مشتری ہے بنا
جو ڈرھیں اشک تو یاقوت و لعل لختِ جگر — ہمارا دیدہ یہ دو کان جوہری ہے بنا
کوئی بنا کوئی بگڑا یہی رہا ہر روز — جہان میں جیسے کہ یہ چرخ چنبری ہے بنا
تمہارے رُوئے منوّر پہ مطلع ابرو — عجیب مطلع دیوانِ انوری ہے بنا
ہٹاؤ آئینہ کو رُوبرو سے جلد کہیں — کہ ہم میں تم میں یہ سدِ سکندری ہے بنا
کہیں اُمیدِ وفا کیا ہم اُس ستمگر سے — کہ وہ زمانہ میں بہرِ ستمگری ہے بنا
ظفر کسی سے بگڑ کر نہیں وہ کرتے بات
کہ جن کے واسطے خلق پیمبری ہے بنا

دیگر

وہ اشکوں کا ہے یہاں تلاطم میں دریا — کہ چڑھتا نہیں چشمِ مردم میں دریا
یہ سُوجھا نشیمن دمِ جوشِ باراں — بھرا تھا فلک کے کہیں خم میں دریا
کہوں کیا طبیعت کی اس کی روانی — بہا دے ہے گویا تکلم میں دریا
مگر دیکھا دریا پہ مستوں کو ہنستے — کہ ہر موج سے ہے تبسم میں دریا
مرے پاؤں کے آبلوں سے رواں ہے — کہ اس دشتِ وحشت رہِ گم میں دریا
ظفر دھوئے جائیں گنہ کیوں نہ اپنے
کہ ہے ذاتِ باری ترحم میں دریا

دیگر

اُسے یاروں نے میرا رقعہ جاکر دیدیا ہوتا ۔ کھلا گر دے نہ سکتے تھے، چھپاکر دیدیا ہوتا
بگڑ جاتا نہ اکیا سُرخ رُو میں سنتا ہو جاتا ۔ مجھے اِک پان تو تو نے بناکر دیدیا ہوتا
نہ ہوتے مجھ سے تم سینہ بسینہ ہو کے ہم بستر ۔ پر اِک بوسہ تو مُنہ سے مُنہ بھڑا کر دیدیا ہوتا
گوارا شربتِ دیدار دینا گر نہ تھا تجھکو ۔ بلا سے زہر ہی مجھکو بُلا کر دیدیا ہوتا
بھرد سے میں جواب خط کے مارا ہائے کیوں مجھکو ۔ جواب صاف ہی قاصد نے آکر دیدیا ہوتا
لگاتا خضر کیوں آبِ لقا کو مُنہ پر اے ساقی ۔ جو تو نے جامِ مے مُنہ سے لگا کر دیدیا ہوتا

ظفر لیکر تمہارا دل وہ کاہیکو مکر جاتا
اگر تم نے اُسے سبکو جتا کر دیدیا ہوتا

دیگر

علم کر تیغ کو سو بار اُس قاتل کا ہاتھ اُٹھا ۔ نہ ہرگز واسطے فریاد کے بسمل کا ہاتھ اُٹھا
رہا تجھ بن یہ عالم رات دل کی بے قراری کا ۔ کہ دل پر سے نہ دم بھر عاشقِ بیدل کا ہاتھ اُٹھا
عطا منظور ہے اِس کو دُعا دستور ہے اُس کا ۔ اُدھر منعم کا ہاتھ اُٹھا اِدھر سائل کا ہاتھ اُٹھا
اُٹھایا دو جہاں سے ہاتھ پر تیری محبت سے ۔ نہ ہرگز اے ستمگر اس ترے مائل کا ہاتھ اُٹھا
نہیں اُٹھنے کا ہو کر خشک اُس کا ہاتھ اے مجنوں ۔ جو تجھ پر سارباں ناقۂ محمل کا ہاتھ اُٹھا
گئے ہم سامنے سو بار پر صاحب سلامت کو ۔ نہ محفل میں کبھی اُس رونقِ محفل کا ہاتھ اُٹھا

رہا سر پر ہمارے دو جہاں میں افسرِ شاہی
ظفر سر سے نہ اپنے مرشدِ کامل کا ہاتھ اُٹھا

دیگر

بن تیرے عجب حال میری جان ہے میرا ۔ بیٹھا ہوں کہیں اور کہیں دھیان ہے میرا
لے مجکو غرض دین سے نہ ہے کفر سے مطلب ۔ عشق اُس بُتِ بدکیش کا ایمان ہے میرا
کچھ پوچھو نہ جو حُسنِ بتاں کی ہے تجلّی ۔ دل دیکھتا کچھ اس میں عجب شان ہے میرا
حالِ دلِ غمگیں نہ کہا میں نے کسی سے ۔ اے حضرتِ غم تم پہ یہ احسان ہے میرا

مانع جورِ رہ نیک سے ہوئے تجھے غافل تو جان لے دل میں کہ یہ شیطان ہی میرا
صحرا سے بھی میں جاؤں نکل تنگ ہوں اتنا پر خار نہیں چھوڑتا دامان ہے میرا
فرمائیں جو ناصح وہ سر و چشم پہ میری پر دل تو نہیں تابع فرمان ہے میرا
آرام کہاں مجھکو نہ جب تک ہو بغل میں وہ شوخ کہ آرامِ دل و جان ہے میرا

حب سنتا ہوں میں نام ظفر فخرِ جہاں کا
ہو جاتا دل اس نام پہ قربان ہے میرا

اب تو ہے اس جانِ جہان کو خوب طرح سے جان لیا
بھیس میں ہے آدم کے وہ آیا، ہم نے بھی پہچان لیا

مطلع ثانی

دل ہی فقط کیا لوٹ نے دکھا کر اپنی ادا و آن لیا
بلکہ دل کے ساتھ اے کافر دین لیا ایمان لیا
کون تھا ایسا تیرے سوا، ہم دیتے جس کو دل اپنا
جسنے کہا یہ اس نے ہم پر تہمت نے بہتان لیا
سوئے عدم ہستی سے چلا ہے بے سر و سامان خالی ہاتھ
ہائے مسافر ساتھ سفر کا تو نے نہ کچھ سامان لیا
سینہ میں اپنے لے جاؤں گا اس کو زیر خاک بھی میں
دیکھ جان اے ناوک افگن میں نے تیرا پیکان لیا
دل نہیں مانتا میرا ناصح یہ ملنے تو کام چلے
تو نے تو جو کچھ مجھ سے کہا سب سچ ہے وہ میں نے مان لیا
جو کہ ہوا شمشیر نگہ کا تیرے قاتل منت کش
تیغ اجل کا اپنے سر پر اس نے کب احسان لیا
دیکھ جو پایا اس نوخط نے نام مرا سرنامہ پہ

پھر تو نہ خط قاصد سے میرے اُس نے کسی عنوان لیا
کوئی نہ پایا ایسا بشر ہے جیسا ظفر وہ رشکِ پری
سارا پرستاں ڈھونڈا ہم نے سارے جہاں کو چھان لیا

دیگر

تنگ مجنوں سے طبیبِ ذوفنوں آجائیگا ۔۔۔ پھاڑ ڈالے گا گریباں کو جنوں آجائیگا
دیکھنا اِک دن جلا کر خاک کر دیگا مجھے ۔۔۔ کام ہی میرے کبھی سوزِ دروں آجائیگا
ہو گی سیرِ سبزہ و گُل جبکہ ساقی باغ میں ۔۔۔ لیکے مینائے شراب لالہ گوں آجائے گا
آ گئے قابو میں تیرے جیسے ہم اے پُر فریب ۔۔۔ اور دیکھیں کون تیرے بس میں یُوں آجائیگا
اے حنائی پنجا تُو آنسو نہ پُوچھے گا کبھی ۔۔۔ رونے روتے گرمرے اشکوں میں خُوں آجائیگا
آج کیا کل بھی نہیں آنے کا وہ وعدہ خلاف ۔۔۔ اے دلِ بیتاب میں کیونکر کہوں آج آئیگا
زُلف کے افعی کو ہاتھوں میں کھلائیگا وہی
ہاتھ جس کے اے ظفر کوئی فسوں آجائیگا

دیگر

سُنا ہے مشورہ شب اُس کے گھر میں اور کچھ ٹھہرا
ارادہ کیا دلِ رشکِ قمر میں اور کچھ ٹھہرا
یہ ٹھہرا جانتے جاتے کیوں مرا خط لیکے کیا باعث
مگر قصد اب خیالِ نامہ بر میں اور کچھ ٹھہرا
نگینِ دل کا تھا مول اور کچھ ٹھہرا ہُوا پہلے
گیا جس دن سے دستِ سیمبر میں اور کچھ ٹھہرا
کبھی اخگر کبھی شعلہ کبھی گل ہے کبھی لالہ
نہ ٹھہرا داغ یہ میرے جگر میں اور کچھ ٹھہرا
کوئی زہرہ جبیں ٹھہرائے کوئی مہ لقا اُس کو
مگر وہ مہر وش میری نظر میں اور کچھ ٹھہرا

نہیں نازاں ہم اُس پر اُس نے ہم کو دوست ٹھہرایا
ابھی دیگا وہ ظالم لحظہ بھر میں اور کچھ ٹھہرا
ہر اِک کے ذہن میں کچھ طور ٹھہرا اُس کے ملنے کا
طریقہ اُس کا پر فہمِ ظفر میں اور کچھ ٹھہرا

اِس بُتکدہ میں جس نے کہ اے بُت تجھے تاکا — کیا خُوب نظر باز وہ بندہ ہے خُدا کا
اللہ ری تیزی تری شمشیرِ نگہ کی! — دم جیسے دیکھ کے ہو تیغ قضا کا
کہتے ہیں مہِ نو جسے دیکھا اُسے ہم نے — ہر ایک تراشیدہ ترے ناخنِ پا کا
کیا اُس ترے بیمار کو اُمّیدِ شفا ہو — جس کو کہ اثر ہو نہ دُعا کا نہ دَوا کا
اے دوست تو اُس دلبرِ بے مہر کے آگے — کیا نام وفا لُوں کہ وہ دشمن ہے وفا کا
سرکش جو بہت حُسن پہ تُو اپنے ہے اے شمع — دیکھا کبھی جلوہ نہیں اُس ماہ لقا کا
ناکام رہا گر دہنِ زخم زبان سے — اچھا ہُوا شاکی نہ ہُوا تیغِ جفا کا
تلووں سے ملا دیدۂ پُر آب کو کس کے — پھیکا ہے کفِ پا میں ترے رنگ حنا کا
نیساں سے اور اِس چشمِ گہر بار سے میرے
دیکھوگے ظفر ہوگا کبھی خُوب جھگڑا کا

دیگر

اگر اے پردہ شب ماہ مبیں دیکھا تو کیا دیکھا! — نہ تجھکو اے مہِ پردہ نشیں دیکھا تو کیا دیکھا
کچھ ایسا ہو کہ دیکھے وہ اِدھر چشمِ عنایت سے! — ہمیں گر اُس نے ہو کر خشمگیں دیکھا تو کیا دیکھا
ہماری عید تو ہے دیکھنے پر تیرے ابرو کے! — ہلالِ عید کو اے مہ جبیں دیکھا تو کیا دیکھا
مزا جب ہے وہ بیٹھے سامنے اور ہم اُسے دیکھیں — عزیزو چلتے پھرتے گر کہیں دیکھا تو کیا دیکھا
کہیں ہو پاس دیکھیں اُس کو ہم دل کی صفائی سے — اگر ہم نے لگا کر دُوربیں دیکھا تو کیا دیکھا
کہاں طاقت کہ دیکھیں آنکھ بھر کر دم آنکھیں — اُسے گر ہمنے وقتِ واپسیں دیکھا تو کیا دیکھا
نہ دیکھا ہم نے جب اُس عالمِ تصویر کا نقشہ — ظفر گر نقشِ نقاشانِ چیں دیکھا تو کیا دیکھا

دیگر

کام نہیں کسی سے کچھ کوئی بھلا ہو یا بُرا
سب سے الگ ہوں میں مجھے کہتے ہیں سب اکل کھرا

مُرغِ چمن ہزار ہو مطرب خوش نوا تو کیا
اس دلِ نالہ کش کی ہے سامنے پردہ بے سرا

زاہدِ سنگدل اگر میکدہ میں کرے گذر
دخترِ رز کو دیکھ کر اُس کا دل ہو بھُر بھرا

تیرے مریضِ عشق سے وہ بھی نہ ہضم ہو سکے
آٹھ پہر میں گر غذا اُس کی ہو ایک مُرمُرا

کرتا ہے ذبح وہ مجھے ایک نگاہِ ناز سے
اور تو پاس یار کے نہ ہے چھُری نہ ہے چھُرا

دل میں ہے میرے غم بھرا دیدہ پُر آب ہے بھرا
جھوٹی قسم نہ کھاؤں گا عشق کی میں بھرا بُرا

عشق کے ہاتھ اے ظفر بیچ متاعِ جان کو
وہ زرِ نقدِ داغِ دل دیگا تجھے کھرا کھرا

دیگر

سوزشِ غم سے پڑا دل پر تپنگا آگ کا
یہ جلا ہوگا بڑی مشکل سے چنگا آگ کا

جامۂ آبی کا اپنی آسمانی دیکھنا
ہے شفق سے کیا تماشا رنگ رنگا آگ کا

نالۂ سوزاں کی میرے گرمیٔ ہنگامہ سے
اس کے کہ جی میں رہا شب یاں دنگا آگ کا

دیکھ کر بجلی کو مستوں نے یہ پوچھا ابر سے
تو نے ڈالا گلے میں کیا جھلنگا آگ کا

دل مرا پروانہ ہے آتش رخوں کے عشق پر
مانتا ہرگز نہیں ڈر یہ پتنگا آگ کا

ہر بنِ مو سے ترے دیوانہ کی نکلی جو آگ
بن گیا پُتلا سراپا جسم ننگا آگ کا

شمع بے بادہ نہ ہوں مستوں کے گرمیٔ جگر
کب بجھاتا ہے یہ شعلہ جب گنگا آگ کا

ہے خدا جانے یہ میری آہِ سوزاں کیا بلا
آسمان پر ایک لگاتی ہے اڑنگا آگ کا

لڑتی ہے بندوں سے جو لے ظفر فوجِ فرنگ
رکھتے ہے ہتھیار پاس اپنے تلنگا آگ کا

عارض کا صاف رنگ ترے گُل میں آگیا
زلفوں کا پیچ و خم ترے سنبل میں آگیا

کس چشمِ پُر خمار کا ساقی پڑا تھا عکس
جس سے کہ یہ نشہ قدحِ مے میں آگیا

کبتک کروں میں صبر کہو رو فراق سے — ہے فرق میرے صبر و تحمل میں آگیا
کیا شعلہ و شرار میں کیا مہر و ماہ میں — جلوہ ترا تو ہم کو نظر کل میں آگیا
دیکھا مجھے نہ تو نے اور آنکھوں میں میرے ام — آخر کو یار تیرے تغافل میں آگیا
کاکل میں تنگ آیا تو زلفوں میں آیا دل — زلفوں میں تنگ آیا تو کاکل میں آگیا
جلدی سے قاصد آکے ہوا کچھ نہ اے ظفر — وہاں سے جواب خط کا تامل میں آگیا

دیگر

شمع کا داغ جگر ہے بزم میں کیا گل بنا — بلکہ اس کا دود دل بھی ہمسر سنبل بنا
دیکھ پھر آخر خزاں ہے کوئی دن ہی یہ بہار — اس چمن میں آشیاں اپنا نہ اے بلبل بنا
مل گیا دریا میں حب قطرہ تو دریا ہو گیا — جزو جو کل میں ہوا گم جزو سودہ کل بنا
میں وہ میکش ہوں کہ میری خاک سے بھی بعد مرگ — یا سبوئے مے بنا یا کوئی جام مل بنا
دل کا زنجیر بلا سے چھوٹنا مشکل ہوا — جب سے یہ شامت زدہ سودائی کاکل بنا
چھوڑ جا دنیا میں منعم کچھ تو اپنا تو نشاں — یا مرا یا چاہ یا مسجد بنا یا پل بنا

اے ظفر آئی قیامت بزم میں ساقی بغیر
شور محشر میرے حق میں خندۂ قلقل بنا

دیگر

نہیں یہ سوز محبت نے ہم کو داغ دیا
ہمارے خانۂ دل کے لئے چراغ دیا

مطلع ثانی

ہمیں جو عشق نے یہ سینہ داغ داغ دیا — ہمارے سیر کو گھر میں خدا نے باغ دیا
تمہاری زلف کے کوچہ میں مجھکو شانہ نے — بتا مرے دل گم گشتہ کا سراغ دیا
بنا کے خال سیہ خط سبز پر اپنے — بٹھا یا آپ نے طوطی کے پاس زاغ دیا
جو مانگی عشق سے فرہاد و قیس نے جاگیر — تو اس کو کوہ دیا اور اس کو راغ دیا
کرشمہ ہے یہ تری چشم مست کا میکش — چمن میں جو کف نرگس پہ دھر ایاغ دیا

نہیں نصیب وہ شاہانِ ہفت کشور کو　　ہمیں جو فقر نے ہے گوشۂ فراغ دیا
شگفتہ غنچۂ دل کیوں نہ ہو کہ اُس گل نے　　ہمیں جو بوسہ دیا ہو کے باغ باغ دیا

سخنوری میں ظفر کون تم سے ہو ہمسر
خدا نے ہے یہ تمہیں کو دل و دماغ دیا

نہ کوئی یار پایا اور نہ کوئی آشنا پایا　　جسے یہاں دوست جانا اُسکو دشمن جان کا پایا
پھرے ہم ڈھونڈتے مدت تلک ملکِ محبت میں　　رفیق اپنا کوئی بھی تیرے غم کے سوا پایا
قمر کو نسبت اُس عارض سے کیا ہم نے ملا دیکھا　　اُسے اُس سے جدا پایا اِسے اُس سے جدا پایا
کسی سے کس لئے پوچھیں صنم خانہ کا رستہ ہم　　کہ اپنے اس صنم کا ہم نے دل ہی میں پتہ پایا
ملایا تیرے خالِ رُخ کو جب خالِ سویدا سے　　قسم ہے ہم نے دونوں میں نہ فرق اک نکتہ کا پایا
خط اُس نے نامہ بر سے لے لیا پڑھ کر چھپا ڈالا　　الٰہی شکر غیروں نے نہ میرا مدعا پایا
سُنا یوسف کو بھی اور اک جہاں کو ہم نے آنکھ سے دیکھا　　مگر تجھ سا حسیں ہم نے نہ ہرگز دوسرا پایا
ذرا بھی دل ہلا تیرا نہ کافر میرے نالہ سے　　فرشتے کانپ اُٹھے عرشِ بریں کا ہلگیا پایا

ظفر کیونکر نہ یہ ظلم و ستم مجھ پر روا رکھتیں
کہ مجھ کو ان ستمگاروں نے اپنا مبتلا پایا

مانگ کی لیکھ پہ ہر رات سویرا دیکھا　　کوچۂ زلف میں دن کو بھی اندھیرا دیکھا
دورِ ساغر ہی میں گزرے ہمیں دن جو خورشید　　ساقیا اُٹھ کے جو منہ صبح کو تیرا دیکھا
ابلقِ چشم کی اللہ رے تیری شوخی　　کہ اڑبیل ایسا نہ کوئی بھی بچھیرا دیکھا
دل کو چھیلا مرے ناخن کے خراشوں نے تمام　　بہتر اس دستِ جنوں سے نہ چتیرا دیکھا
خط مرا دیکھ لیا ایک دفعہ اُس نے تو کیا　　حرفِ مطلب نہ کوئی غور سے میرا دیکھا
حلقۂ زلف سے تم بچ نہ سکے حضرتِ دل　　اس بلا نے تمہیں کس طرح سے گھیرا دیکھا
[illegible]　　[illegible]

خاک مجنوں نے کیا وادیٔ وحشت میں مقام　　کہ بگولے کے سوا کوئی نہ ڈیرا دیکھا
ہم نہ کہتے تھے ظفرؔ پیچ نہ ڈال اُس کے ہاتھ　　نہ پسند اُس نے کیا لیتے ہی پھیرا دیکھا

دیگر

اُنہیں جب پیار سے گودی میں کوئی بھر کے لے لوں گا!
دہن کے بوسہ بھی میں لب کو اب پہ دھر کے لے لوں گا
فقیر اے یار ہو جاؤں گا میں تیری محبت میں!
زمیں تکیہ کے خاطر پاس تیرے گھر کے لے لوں گا
پرکھ پر جوہری کے مول لینے کا نہیں موتی
دُرِ دنداں سے میں تیرے مُقابل کر کے لوں گا
لبِ میگوں کے تیرے گا بوسے گر لبِ ساغر
تو میں اے بادہ کش بوسے ترے ساغر کے لے لوں گا
ہلا دوں گا جہاں کو دیکھنا زیرِ زمیں بھی میں　　ذرا کروٹ جو ہاتھوں سے دلِ مضطر کے لے لوں گا
جو توڑے شیشۂ مے محتسب مار کر پتھر　　تو بدلے میں کسی دن اُس پتھر کے لے لوں گا
کروں گا کعبہ میں جا کر ظفرؔ کیا کر سکے گا ذہب
تو بوسے اُس بُتِ کافر کے سنگِ در کے لے لوں گا

دیگر

کیوں فریب اس کے ہے دل دیکھ کے چھل بل کھاتا
کرتا ہے بات وہ پیچھے قسم اوّل کھاتا
زلفِ عارض پہ ہے اُس شوخ گلستاں رُو کی
یا چمن میں ہے کوئی مارِ سیہ بل کھاتا

بوسہ ٹوں سیب ذقن کا ترے اے سرو روان
نخل سے سرو کے ہو کوئی اگر پھل کھاتا
چشم گریاں سے جو میرے نہ مقابل ہوتا
تو ہوا کے نہ طمانچے کبھی بادل کھاتا
کھا لیا آج ہی گر غم نے مجھے خوب ہوا
آخرش کھاتا ہی یہ آج نہیں کل کھاتا
ہوں وہ سرگشتہ جنوں میں کہ بگولے کی طرح
اے ظفر دیکھ کے چکر سے مجھے جنگل کھاتا

وہ سیکھے بے طرح کچھ بیر کرنا
مجھے ڈر ہے الٰہی خیر کرنا
بتو دل میں جو میرے آ بسے تم
ہوا منظور کعبہ دیر کرنا
طیور سدرہ و طوبےٰ کو سکھلائے
ہمارا طائر دل طیر کرنا
غضب ہے توپ پر عاشق کو رکھ کر
فرنگی نژاد تیرا فیر کرنا
ہرے ہونے پہ میرے زخم دل کے
پھر آ کر اس چمن کی سیر کرنا
نہیں اس مصحف رخ پر مناسب
تجھے اے زلف لمبے پیر کرنا
ظفر جاتے وہ میرے پاس سے کیوں
اگر ہوتا نہ پاس غیر کرنا

کوئی دم فنا کی ہے منزل میں بیٹھا
بس اب تو ہے کس فکر باطل میں بیٹھا

مطلع ثانی

بظاہر نہ وہ میری محفل میں بیٹھا
ہمیشہ رہا پر میرے دل میں بیٹھا
ہوا ماہ کیا خجل جب وہ مہوش
لب بام آ کر مقابل میں بیٹھا
کشندہ مرا ہو گیا اے عزیزو
اگر دوست بھی بزم قاتل میں بیٹھا

کہاں جلئے سودائیے زُلف اُٹھ کر — کہ جکڑا ہُوا ہے سلاسل میں بیٹھا
رواں خُون دِل ہے جو آنکھوں سے ہردم — خدنگ نگہ کس کا ہے دِل میں بیٹھا
جو بیہودہ گو ہو ظفر اُس سے کہہ دو — نہ باتیں بنا میری محفل میں بیٹھا

دیگر

چُھپا ہُوا ہے جگر میں میرے یہ نیش مژگاں یار کیسا !
کھٹکتا ہردم ہے ساتھ دَم کے الٰہی سینہ میں خار کیسا
جو مست اُس چشم مست کے ہیں نہیں ہے کچھ اُنکو ہوش ساقی
کہ جام کیسا شراب کیسی نشہ ہے کیسا خُمار کیسا
بندھا جو اشکوں کا تار دیکھا، تو اُس نے ہنسکر یہ مجھ سے پُوچھا
کہ تُو نے اپنے گلے میں ڈالا یہ موتیوں کا سا ہار کیسا
اُڑاتا کیا خاک سر پہ مجنُوں، چلا ہے زنداں سے سوئے ہاموں
اُڑی ہے دیکھو یہ گرد کیسی، اُٹھا ہے دیکھو غبار کیسا
کرے جو تجھ سے تپاک پیدا، جو تجھ پہ اے شعلہ خو ہو شیدا
پھر اُس کو ہوش و حواس کیسے، پھر اُس کو صبر و قرار کیسا
یہ لیکے تیر و کماں کا جانا، شکار کا ہے فقط بہانا
تجھے کسی کو ہدف بنانا، ارے ستمگر شکار کیسا
ظفر جو پھیری ہے اُس نے چتون خفا ہے مجھ سے وہ شوخ پُرفن
بنا دیا اُس کو میرا دشمن، یہ عشق ہے دوست دار کیسا

دیگر

ترا بسمل ہی کیا تجھکو ہے اے قاتل دُعا دیتا
لب ہر زخم سے ہردم ہے اُس کا دِل دُعا دیتا
تماشا ہے کہ تُو اے بدزباں دُشنام دیتا ہے
اور اُس کے بدلے تجھ کو ہے ترا مائل دُعا دیتا

جو پوچھا ہم نے مجنوں سے کہو کیا شغل رہتا ہے
کہا میں ہوں تمہیں اے مرشدِ کامل دُعا دیتا

صدا آتی نہیں قلقل کی ساقی شیشۂ مے سے
تجھے وہ جان کر ہے رونقِ محفل دُعا دیتا

تُجھے اے صیدِ افگن دیکھ تو کس کس محبت سے
ترا صیدِ محبت ہے، دمِ بسمل دُعا دیتا

ظفر اشکوں سے میرے جب مدد پہنچے ہے دریا کو
تو میری چشمِ تر کو ہے، لبِ ساحل دُعا دیتا

نہ آئے آتے آتے کیوں خبر کیا تھی ہُوا یہ کیا
وہ اُلٹی پھر گئی مدِ نظر کیا تھی ہُوا یہ کیا

وہ ڈوبا دشمنوں کا گھر ترے رونے سے ہم ڈھلے
توقع ہمکو تجھ سے چشمِ تر کیا تھی ہُوا یہ کیا

کیئے خط کی طرح کیوں پُرزے پُرزے اُسنے قاصد کے
کوئی پُوچھے خطا اے نامہ بر کیا تھی ہُوا یہ کیا

وفا کے ہم ہوئے خواہاں کیا تُو نے ستم ہم پر
تمنا ہم کو اے بیداد گر کیا تھی ہُوا یہ کیا

کہیں کیا سرگزشت اپنی نہ پُوچھو شمع سا ہم سے
لگی تو ہم کو شب سے تا سحر کیا تھی ہُوا یہ کیا

بجا دل اُس کا پتھر چاہتے تھے موم ہو جاوے
ہمیں نالوں سے اُمیدِ اثر کیا تھی ہُوا یہ کیا

دُعا دو اپنی پیری کو جسے تم پارسا دیکھو
تمہاری وضع تک گئی اے ظفر کیا تھی ہُوا یہ کیا

دیگر

یُوں ترے ہجر میں دلِ مضطر ہے لوٹتا
جیسے کہ ذبح ہو کے کبوتر ہے لوٹتا

کیا کہہ دیا ہے کان میں بادِ بہار نے
مارے ہنسی کے گل جو زمیں پر ہے لوٹتا

ہلتی ہے زلف کب خطِ رخسار پر ترے
مارِ سیاہ سبزہ پہ کافر ہے لوٹتا

کیا جانے ذبح ہونے میں آتا ہے کیا مزا
نخچیر جو ترا تہِ خنجر ہے لوٹتا

ہے شیخ گوشہ گیر ریا سے بھلا وہ مست
بازار میں شراب جو پی کر ہے لوٹتا

سر کٹ کے بھی ہُوا نہیں ٹھنڈا شہیدِ عشق   تن لوٹتا کہیں ہے، کہیں سر ہے [illegible]

ہیں یوں تو اِس غزل پہ ظفر لوٹتے سبھی!

لیکن زیادہ سب سے سخنور ہے لوٹتا

دیگر

جب عاشقی میں دل نے مرا پاس کھو دیا   میں نے بھی اُس کا ایسا کیا ناس کھو دیا

مُفلس کے ہوش کیا رہیں اُسکی تو عقل کو   اے چرخ تُو نے باعثِ افلاس کھو دیا

اقرار نامہ اُنکی محبت کا ہم اُنہیں   دکھلائیں کیا کہ ہم نے وہ قرطاس کھو دیا

مضموں یہ آ گیا تھا خموشی کا اپنے ہاتھ   یاروں نے کی جو آن کے بکواس کھو دیا

خورشید جو چھپا تو یہ آیا نظر میں شوخ   سونے کا وہ فلک نے کہاں طاس کھو دیا

افسوس اپنے اشک کی جانی نہ ہم نے قدر   کیا بے بہا نگینۂ الماس کھو دیا

نے دل رکھا نہ جان رکھی میں نے عشق میں   جو کچھ کہ اے ظفر تھا مرے پاس کھو دیا

اگر مرے دلِ سوزاں کا داغِ گُل ہوتا   کبھی چمن میں نہ گُل کا چراغِ گُل ہوتا

وہ رشکِ گُل جو گلستاں میں مے کشی کرتا   تو غنچہ ہوتا گلابی ایاغِ گُل ہوتا

ہر ایک خار بہ فیضِ قدم سے مجنوں کے   نمود ہے سرِ دامانِ راغ گُل ہوتا

جو زشت خوں ہیں اُنہیں کیا دماغ ہے عشق   سُنا نہیں کبھی معشوق زاغِ گُل ہوتا

اگر یہ جانتا ہے تنگ عرصہ کار بہار   شگفتہ یوں نہ کبھی باغ باغِ گُل ہوتا

چمن میں نالۂ بلبل کو کون پھر سُنتا   تری طرح سے جو نازک دماغ گُل ہوتا

چمن میں جائیے بھی جب اے ظفر وہ رشکِ چمن

تو اُس کو دیکھ کے ہے باغ باغ گُل ہوتا

جب آ کے میرے قتل کو قاتل اُلٹ گیا   مضطر ہوئی یہ سُن کے قضا دل اُلٹ گیا

آتا نظر ہے یوں فلکِ سبز واژگون   جیسے کہ جامِ زہرِ ہلاہل اُلٹ گیا

اُلٹی پھر گئی ہے مرے آکر لبوں تک — یہ آکے راہ رو سرِ منزل اُلٹ گیا
عاشق کے دل کو یہ ترا مارِ سیاہِ زُلف — بس کاٹتی ہی حور وشمائل اُلٹ گیا
ساقی مثالِ شیشۂ مے روتے روتے آج — دم میرا بن ترے سرِ محفل اُلٹ گیا
عالم وہ کیا عمل نہ ہو جس کا کتاب پہ — بے فائدہ ورق ہیں یوں ہیں جاہل اُلٹ گیا

بے تابیوں سے دل کی پس از مرگ اے ظفر!
سنگِ مزارِ عاشقِ بے دل اُلٹ گیا

دیگر

جب اُس نے ناز سے تیغہ کمر پہ باندھ لیا — قضا نے میرا کفن اپنے سر پہ باندھ لیا
یہی علاج تھا پٹی کے جا ترا رومال — اُٹھا کے ہم نے جو زخمِ جگر پہ باندھ لیا
یہ کہہ دو شمع سے کلگیر چھوڑنے کا نہیں — ارادہ اُس نے ترے تاجِ زر پہ باندھ لیا
ترا ہے تارِ نظر بھی عجب کمند بلا — کہ تو نے اس کو چڑھا جو نظر پہ باندھ لیا
گذر ہو کیونکہ مرا وہاں کہ مجھ سے لوگوں نے — عزیز دیر ہی اُس رہگذر پہ باندھ لیا
سمجھتے ہم ہیں غلط ہیں اُس آنکھ کو جینے! — تصوّرِ رُخِ روشن قمر پہ باندھ لیا
نگاہِ بد سے رہے تاکہ حُسن بے آسیب — حصارِ خطِ رُخِ سیمبر پہ باندھ لیا
وہ آدمی تھا مرا یہ چور چور کہہ کر رات — پکڑ لیا جسے اور اُس کو در پہ باندھ لیا
گلے میں باندھ کے پتھر ڈبو دو دریا میں — اُسے کہ جس نے ہے طوفان ظفر پہ باندھ لیا

دیگر

کی اگر تو نے مرے قاتل کی تدبیر لے آ — سر یہ حاضر ہے مرا شوق سے شمشیر لے آ
لب تک آ دل سے نہ تنہا شبِ تنہائی میں — جان کو ساتھ تو اے نالۂ شبگیر لے آ
یوں نہ کے نہیں ہیں وہ کشیدہ خاطر — تجھ میں کچھ اے کششِ دل ہے جو تاثیر لے آ
روز لے جاتی مجھی کو ہے اُدھر اُس کو بھی — کبھی ہر پھیر کے اِدھر گردشِ تقدیر لے آ
گر نہ آئے دلِ دیوانہ تو کہہ زُلف سے تو — کر کے سودا زدہ کو بستۂ زنجیر لے آ
ہمنے ہے دل میں بنایا غمِ دلدار! گھر — لہد اس یہ کہ مکاں ہو چکا تعمیر لے آ

ہیں وہ رُوٹھے ہوئے آنے کے نہیں آج ظفر
عید کا روز ہے جا ہو کے بغلگیر سے آ

جان بھی لیگا وہ بُت کافر جس نے اپنا جان لیا | چھوڑا اُسنے پاس مرے کیا، دین لیا ایمان لیا
خونِ ناحق خون آلودہ خوب کیا اُس قاتل نے | میرے وقتِ کشتن اُسنے دامن اگر دان لیا
بھیس بدلکر شب کو چلے تھے غیر کے گھر وہ تو لیکن | ہم نے اُن کی چال سے اُنکو رستہ میں پہچان لیا
لوہو تھوکا رشک سے اُس دم عاشق کا یہ رنگ ہوا | تُو نے غیر کے ہاتھوں سے بنوا کے جو مُنہ میں پان لیا
جو ہیں مُسافر راہِ عدم کے اُن سے اتنا پوچھو تو | تم نے اپنے ساتھ سفر کا کیا کیا ہے سامان لیا
جتنا چھپانا اُتنا پایا کر کر اُس کو چھپانا خاک | ہم یہ کہیں کس مُنہ سے ہمنے خوب جہاں کو چھان لیا

بیٹھ کے مثلِ کفِ پا اُٹھے نہ اُس کے کوچے سے
کچھ ہی ہووے اب تو ظفر یہ دِل میں ہم نے ٹھان لیا

اگر بے پردہ ہم سے وہ بُتِ کافر ادا ہوتا | میسر ہم کو دُنیا ہی میں دیدارِ خدا ہوتا
چھپاتا مجھ سے زیرِ زُلف تو کیوں خالِ رُخ اپنا | ستارہ گر مرا چمکا ہوا اے مہ لقا ہوتا
اگر تھوڑی سی مرچیں بھی نمک میں پیسکر قاتل | لگا دیتا مرے زخموں کے مُنہ کو کیا مزا ہوتا
خدا سے ڈر نہ رکھ ہم پر روا جور و ستم اتنے | کہ ظالم دل ستانا ہے غریبوں کا بُرا ہوتا
نہ ملتا اِس طرح میں خاک میں پیکرِ قاتل | نہ ہوتا تو مکدّر دِل ترا مجھ سے صفا ہوتا
تری اس بے وفائی پر فدا ہوتی ہے جاں اپنی | خدا جانے اگر تجھ میں وفا ہوتی تو کیا ہوتا
خطر ہے کیا اگر دُشمن ہے میرا وہ بُتِ کافر | نہیں اے حضرتِ دل کچھ بھی بے حکمِ خدا ہوتا
خدا نے غیر کی جلدی بجھائی آگ اشکوں نے | وگرنہ سوزِ دِل سے آج میں جل ہی گیا ہوتا

ظفر کچھ درد ہوتا ناصحِ بیدرد کو میرا
اگر دردِ محبت میں، دِل اُس کا مبتلا ہوتا

دیگر

جبکہ مجھے اندیشۂ عقبیٰ دنیا میں ہے بہلاتا
پھر تو بہلتا جی نہیں میرا الا کہ طرح ہوں بہلاتا

مطلع ثانی

نالہ کروں کیا سانس بھی لینی اب تو جی ہے کہلاتا!
چشم سے میں کچھ اشک بہا کر دل کو ہوں اپنے بہلاتا

مطلع ثالث

ایسوں میں مِل جُل کے غافل ناحق جی ہے بہلاتا
ناتا گوتا یہیں تک ہے، واں کون کسی کا کہلاتا
دیتا اُٹھا کر رخ سے اپنے زُلف کو جو وہ رشکِ قمر
شمع تو کیا ہو سکتی مُقابل، تاب نہ ہرگز مہ لاتا
منزلِ راحت دشتِ جنوں ہو کیوں نہ ترے دیوانے کو
کیا کیا اُس کے تلووں کو ہے خارِ بیاباں سہلاتا
ہوتا اگر معلوم کہ دیگی کھول نسیمِ صبح اُسے!
غنچۂ چمن میں رنگت کو اپنے کر کے نہ ہرگز تہ لاتا
تو جو رنگ میں ہو بیٹھے وہاں بھیجے ہے ساتھ رقیبوں کے
مجکو ہے میرا دیدۂ پُرخوں غرقِ جگر میں نہلاتا
ہوتا مفتوں گر نہ مرا دِل اس کی چشمِ فتاں کا
کیوں مجھے وحشت ہوتی ظفرؔ اور کیوں میں وحشی کہلاتا

دیگر

جسم میں عاشق کے تیرے تھا جو کچھ بہنا — وہ بوقتِ جوشِ گریہ آنکھ کا آنسو بنا
بنتی ہے تیغ صفاہانی حلب میں بھی ابھی — آئینہ لیکر ذرا اپنا خمِ ابرو بنا
دیکھیو کھیل اُس چشم کے وحشی سے بعد از مرگ بھی — اُسکی مٹی کا کھلونا اگر بنا آہو بنا

جائیگا گر روبرو اُس کے بگڑ جائے گا مُنہ — ناصحا بیٹھا ہمارے پاس باتیں تو بنا!
کس طرح پٹکیں نہ سر پتھر سے ہم اے سنگدل — غیر کے سر کے لئے تکیہ ترا زانو بنا!
مجھ سے تو ہوتا تو ہے ٹیڑھا بگڑ کر اے رقیب — میں بتاؤں گا تجھے سیدھا اگر قابو بنا!
دِل رہا اپنا اسیرِ حلقۂ دامِ بلا !! — اے ظفر جس دن سے اُس کا حلقۂ گیسو بنا

دِل مرا اُس رشکِ گلشن کا جو مسکن بنگیا — سینۂ پُر داغ گویا ایک گلشن بنگیا
دوستی نے تیری مجھ سے کر دیا سب کو بُرا — اپنا بیگانہ ہوا اور دوست دشمن بنگیا
اپنے دینداری پہ کیا کیا ناز تھا زاہد کو پر — اُس صنم کی دیکھ کر صورت برہمن بنگیا
بزمِ عشرت مجھ کو تجھ بن بزمِ ماتم ہو گئی — نغمۂ شادی لبِ مطرب پہ شیون بنگیا
میرے گریہ نے کیا جو خشکیِ لب کا علاج — قطرہ ہر آنسو برنگِ موم روغن بنگیا
گر لگا تیر اُس کا سینے میں مرے اچھا ہوا — جھانکنے کو دِل میں میرے ایک روزن بنگیا
روئے ہم اپنی اسیری پر تو یہ دریا بہا — حلقۂ گرداب اپنا طوقِ گردن بنگیا
نے اثر کرتا ہے نالہ اور نہ کچھ تاثیر آہ — دِل خدا جانے ترا پتھر کہ آہن بنگیا

ہو گیا پانی مِرے نالوں کی گرمی سے جو خشک
پاٹ دریا کا ظفر صحرا کا دامن بنگیا

دیگر

نہ ہے یہاں دیر کا چرچا نہ حرم کا چرچا — اپنے گھر میں تو ہے اُس اپنے صنم کا چرچا

حُسن مطلع

تھا جو خوبانِ ستمگر میں ستم کا چرچا — اور وہ تیغِ ستم سے ترے چمکا چرچا
نہ کہیں تذکرہ دریا کا ہے نہ ابر کا ذِکر — جابجا اب تو ہے اِس دیدۂ نم کا چرچا
کیونکر خنداں ہو گُل کیوں نہ ہو شبنم گریاں — اِس چمن میں جو رہے شادی و غم کا چرچا
تنِ گُل خوردہ کو جس دن سے ہمارے دیکھا — کوئی کرتا نہیں گلزارِ ارم کا چرچا
ذکرِ ساقی کا ہے یا ساغرِ مے کا مذکور — نہ یہاں جام کا چرچا ہے نہ جم کا چرچا

خطِ پشتِ لبِ لعلیں کو دکھادے اپنے — ہو جہاں کچھ خطِ یاقوت رقم کا چرچا
چاہیئے قول و قسم یار سے تنہائی میں — تا نہ ہووے کہیں اس قول و قسم کا چرچا
بات بھی کرتا نہیں کوئی جہاں دم نکلا — اے ظفر سارا یہ ہستی میں ہے دم کا چرچا

دیگر

رستہ میں یار پاس سے جس دم نکل گیا — میں نے تو جانا یہ کہ مرا دم نکل گیا
تاثیر تیرے گریہ نے کیا کی اُسے مگر — دل کا بخار دیدۂ پُرنم نکل گیا
پھر کس کے ہاتھ آتا ہے جو وقت قید سے — تیرا اسیر کاکلِ پُرخم نکل گیا
جو معرکہ میں عشق کے ثابت قدم رہے — ٹھہرا نہ اُن کے سامنے رستم نکل گیا
اُس نے نہا کے زلف سنچوڑی کھلا ہوا — جو اس سیاہ مار میں تھا سم نکل گیا
دیوانگی میں کرتے ہیں میرا لہو جو کم — کیا پہلے آنسوؤں میں ہی خوں کم نکل گیا
پہلو میں کل سے اپنے اُسے دیکھتا نہیں — یارب کدھر مرا دلِ پُرغم نکل گیا
دیکھے عذابِ سوزِ محبت میں اس قدر — دل سے ہمارے خوفِ جہنم نکل گیا

پھر خواب میں بھی ہم نے نہ دیکھا وہ اے ظفر
آنکھوں کے سامنے سے جو عالم نکل گیا

ہم نے کل ایک عجب آفتِ جاں دیکھا تھا — پر نہیں یاد ہمیں یہ کہ کہاں دیکھا تھا
کیونکہ خوش ہو کے نہ رہتا مرے دل میں غمِ یار — اُس نے ایسا کبھی کاہے کو مکاں دیکھا تھا
گڑ گیا شرم سے اپنا جو زمیں میں شمشاد — کیا ترا قد کہیں اے سروِ رواں دیکھا تھا
تو نے دل کس کا جلایا تھا خدا جانے کہ رات — ہم نے اُٹھتے ترے کوچے سے دھواں دیکھا تھا
بُت پرستی سے مجھے ہوتا تھا مانع زاہد — جب تلک اُس نے نہیں حُسنِ بتاں دیکھا تھا
کھل کھلا کر جو ہنسے باغ میں گل وقتِ بہار — تھا یہ باعث کہ نہیں روزِ خزاں دیکھا تھا
لگ گیا قفلِ خموشی سے جو منہ کو نبرسے — خواب میں کس کا ظفر خال دہاں دیکھا تھا

دیگر

غلط گو ہے کہے جو چپ رہے سے کچھ نہیں ہوتا   یہاں چپ ہی کچھ اچھی ہے کہے سے کچھ نہیں ہوتا
ہنسی جام لبالب بھی تو کیفیت ہوئی ساقی   صراحی کے تو خالی قہقہے سے کچھ نہیں ہوتا
سہے ظلم ان ستمگاروں کے کوئی کس توقع پر   کہ یہاں ظلم و ستم بھی تو سہے سے کچھ نہیں ہوتا
مجھے بھاتی ہیں اپنے نالہائے زار اے بلبل   مرا دل خوش ترے ان چہچہے سے کچھ نہیں ہوتا
دکھائے تو رخ نو خط پہ خط سبز کی سبزی   کہ حاصل لطف سبزی لہلہے سے کچھ نہیں ہوتا
نہیں بجھنے کی دل کی آگ گرچہ میری چشموں سے   بہا دریا تو کیا، دریا بہے سے کچھ نہیں ہوتا
خط آئے پہ بھی ہے عالم وہی اس روئے روشن کا   ظفر بے نور یہ سورج گہے سے کچھ نہیں ہوتا

دیگر

کچھ دیدۂ گریاں ہی سے آنسو نہیں تھمتا   زخم جگر و دل سے بھی لوہو نہیں تھمتا
تھامے دل دیوانہ کو کیا کوئی کہ جب تک   ہوتا نہیں پابستۂ گیسو نہیں تھمتا
اے صید فگن چشم غضبناک سے تیری   بھاگے ہے جو ڈر کر تو پھر آہو نہیں تھمتا
کیوں ہو کے خفا ایسا چلا آج یہاں سے   سب تھامتے ہیں اور وہ بدخو نہیں تھمتا
سر کیوں نہ اڑیں سینکڑوں شمشیر زنی سے   اک روز ترا ہاتھ جفا جو نہیں تھمتا
تو کہتا ہے جلنے کو بتا جائیگا کیونکر   مینہ آج تو اے شوخ پریرو نہیں تھمتا

دیگر

کرتا اس رخ پہ ہے کیا جلوہ نمائی سہرا   آئی ہے دیکھنے کو ساری خدائی سہرا
شکر للہ کہ اللہ نے دکھایا یہ دن   دیا اس کے رخ تاباں پہ دکھائی سہرا
سیم و زر کرنا مہ و مہر سے ہے جیغہ نثار   دیکھ کر چاند سے مکھڑے پہ طلائی سہرا
عکس رنگ گل رنگیں سے بنا دیتا ہے   گوندھنے والے کے ہاتھوں کو حنائی سہرا
تہنیت لکھنے عطارد ہی نے کیا سہرے کی   زہرہ بھی شوق میں سہرے کی گائی سہرا
کثرت گل سے ہے ہر شاخ لدی پھولوں کی   گوندھ کر باغ بہاری ہے جو لائی سہرا
شرف مہر سے ہوتا ہے مشرف نو روز   رکھتا اس رخ کے بدولت ہے بڑائی سہرا

کھلتی کلیاں نہیں سہرے میں گرگرتا ہے دل یک خلق کی یہ عقدہ کشائی سہرا
آفریں کرتے ترے معنی روش پہ ظفر یہ اگر سنتے بہائی و سنائی سہرا

نامہ بر خط کبھی عنوان یہ اُدھر لے تو جا لے نہ لے پڑھکے وہ سرنامہ کو پہلے تو جا
میری بالیں پہ ٹھہر یا نہ ٹھہر کوئی دم پر کبھی آن کے تو میری خبر لے تو جا
میں ہُوں برباد بلا سے مگر اُس کوچے میں تو مری خاک کو اے بادِ سحر لے تو جا
ابھی ہوتی ہے خجل شمع ذرا بزم میں تو اپنے دل سوز کو با دیدۂ تر لے تو جا
اوڑ کے جا سکتے چمن تک نہیں مرغانِ قفس اے صبا اُن کا اُڑا کر کوئی پر لے تو جا
دیکھیں کیا یار کو منظور ہے معلوم تو ہو دل کا پیغام تو اے پیکِ نظر لے تو جا
شوقِ دیدار ہو یا آرزوئے بوس و کنار
تو وہاں جائے تو کچھ تحفۂ ظفر لے تو جا

دیگر

ہم نے ہے قاصد کئی دن سے وہاں بھیجا ہُوا آج تک آیا نہیں کیا جانے اُس کو کیا ہُوا
میں اگر یہ جانتا تجھ سے نہ کرتا دوستی دوستی میں تیرے دشمن اک جہاں میرا ہُوا
آگے تو آگ اِس طرح تجھ پر نہ ہوتا تھا کبھی آج ہے شعلہ خو تو کس کا بھڑکایا ہُوا
مر گیا بیمار اُس کے نرگسِ بیمار کا دوستو اچھا ہُوا، اچھا ہُوا، اچھا ہُوا
دل کو سمجھا تو مرے ناصح اگر سمجھا سکے مجھ کو سمجھاتا ہے کیا ہُوں میں نہیں سمجھا ہُوا
درد اُٹھے رشک سے کیونکر نہ پہلو میں مرے غیر کو دیکھوں بغل میں جب تیرے بیٹھا ہُوا
وہ جو دل کی آگ تھی میری نہ ہرگز بجھ سکی گرچہ اشکوں کا رواں چشموں سے اک دریا ہُوا
جب کہا میں نے کہ کیجے دل کا سودا زلف سے بولے برہم ہوکے وہ ہی کیوں تجھے سودا ہُوا
خیر تو ہے کیا ہُوا بگڑی کہیں اُس یار سے
آج کیوں تو اے ظفر پھرتا ہے گھبرایا ہُوا

جو مطلب ہے کتابِ عشق میں سب یاد ہو جاتا ۔۔۔ مری صحبت میں مجنوں بیٹھ کر اُستاد ہو جاتا
زباں جب اپنی ہو جاتی ہے اپنے واسطے دشمن ۔۔۔ سخن ہی اپنا حق میں اپنے ہے جلاد ہو جاتا
قیامت کرتا برپا عاشقِ شوریدہ پر کیا کیا ۔۔۔ اگر بیدارِ شب کو سُن کے وہ فریاد ہو جاتا
مرے نالوں سے پتھر موم ہو جاتے ہیں پر ظالم ۔۔۔ ترا دل اور بھی ہے سخت اِک فولاد ہو جاتا
خجل ہو جاوے ہے گُل دیکھ کر رُخسار کو تیرے ۔۔۔ ترا قد دیکھ کر شرمندہ ہے شمشاد ہو جاتا
اگر دو چار ہوتے اور بھی مجھ سے ترے مجنوں ۔۔۔ تو اے وحشی نگہ دشتِ جنوں آباد ہو جاتا

ظفرؔ ہوتا ہے رنج و غم میں دل کیسا ہی آلودہ
مگر صورت کو اس کی دیکھ کر ہے شاد ہو جاتا

یہ سہرا شاہ کے نورِ بصر کا ہے سہرا ۔۔۔ یہ سہرا شاہ کے جانِ جگر کا ہے سہرا
عجب طرح کی یہ شان و شکوہ کا ہے بیاہ ۔۔۔ عجیب طرح کے یہ کر و فر کا ہے سہرا
زہے نشاط زہے خرمی کہ دیکھنا آج ۔۔۔ ہو النصیب پدر کو پسر کا ہے سہرا
چڑھا طرب کا جو دریا تو آیا کشتی میں ۔۔۔ یہ نورِ چشمِ شہِ دادگر کا ہے سہرا
جو لعل ہیں گلِ احمر تو موتیا موتی ۔۔۔ یہ سہرا پھولوں کا لعل و گہر کا ہے سہرا
جوابِ حسنِ مہِ مصر کا ہے نورِ جمال ۔۔۔ حجابِ چہرۂ شمس و قمر کا ہے سہرا
وہ تیرا چاند سا مکھڑا کہ جس پہ ماہ لقا ۔۔۔ بندھا ستاروں کے تارِ نظر کا ہے سہرا
کہے ہے فہم و ذکا یہ ترا کہ تیرے سر ۔۔۔ تمام دانش و فضل و ہنر کا ہے سہرا

ظفرؔ ہے آج قلم ایسی پھلجھڑی اپنی !!
کہ باندھ دیتی یہ گلہائے زر کا ہے سہرا

دیگر

ہمیشہ ہے وصل و جدائی کا دھندھا ۔۔۔ بتوں کی ہے الفت خدائی کا دھندھا
اگر بیٹھے رندوں کی صحبت میں زاہد! ۔۔۔ تو دے چھوڑ یہ پارسائی کا دھندھا
جو ہونا ہے آخر وہ ہو کے رہے گا ۔۔۔ کرے کون بخت آزمائی کا دھندھا

پریشاں رہے عمر بھر یہ نہ چھوڑا　　ترے زلف نے کج ادائی کا دھندا
مبارک رئیسوں کو کارِ ریاست　　گدا کو ہے کافی گدائی کا دھندا
نہیں خضر کے پیچھے گر اور جھگڑے　　تو ہے ساتھ اک رہنمائی کا دھندا
ظفر اس سے بہتر ہے نا آشنائی
کہ مشکل ہے یہ آشنائی کا دھندا

غیر کے ہاتھوں سے پی تو نے شراب اچھا کیا　　رشک سے دل کو کیا میرے کباب اچھا کیا
کھوئی میری آبرو رو رو کے کوئے یار میں　　تو نے رسوا مجکو اے چشم پر آب اچھا کیا
کہتے ہیں کہنے دو اس کے لوگ دیوانہ مجھے　　یار نے مجکو عنایت یہ خطاب اچھا کیا
شکوہ میں کس کس خرابی کا کروں تیرے لئے　　جو کیا تو نے سو اے خانہ خراب اچھا کیا
ہوتا عیسیٰ سے نہ برسوں بھی چنگا یہ مریض　　اے اجل تو نے اسے آکر شتاب اچھا کیا
سوز دل سے رات دن ہیں آتش دوزخ میں ہم　　عشق نے ہم کو گرفتار عذاب اچھا کیا
اپنے ابرو پر بنایا نقطہ خال سرمہ سے　　واہ کیا تم نے مطلع انتخاب اچھا کیا
لیگیا کوچہ میں اس بیدادگر کے کیوں مجھے　　یہ نہ تو نے اے دل پر اضطراب اچھا کیا
ٹکڑے ٹکڑے تو ہوا خط کی طرح قاصد مگر
جو کیا اس نے ظفر اس سے جواب اچھا کیا

اس پری کو دیکھ کر دیوانہ یہ جو بنگیا　　بیٹھے بیٹھے ہو گیا دل کو مرے ناگاہ کیا
ہم پہ گر تیغ آزمائی اب تجھے منظور ہے　　کر تو بسم اللہ دیکھے ہے اجل کی راہ کیا
یہ ستارے کی ہے گردش اے ظفر گھبرا نہیں　　دیکھنا تیرے بناتا کام ہے اللہ کیا
تیر اس نے کمان سے کھینچا　　اور تیغ میان سے کھینچا
نقش نقاش سے تیرا بہتر　　ہم نے ہے اپنے دھیان سے کھینچا
اتنی طاقت کہاں کہ نالۂ دل !　　جائے اس ناتوان سے کھینچا

کھینچا اس نے جو ہم پہ خنجر ناز — عجب انداز و آن سے کھینچا
تو نے اے بدگمان ہزاروں کو — دار پر امتحان سے کھینچا
تیرے عاشق نے عشق میں تیرے — ہاتھ دونوں جہان سے کھینچا
اے ظفر بد زبان نے دنیا میں
رنج اپنی زبان سے کھینچا

لیکے دل دیتے نہیں کیوں نہو در پر ڈنکا — نا دہندوں کے سدا رہتا ہے گھر پر ڈنکا
شوخ چشموں کو اگر دیکھے کوئی کیا دیکھو — کہ بجا دیتے ہیں یہ ایک نظر پر ڈنکا
غم و حسرت کا ہے ہنگامہ ہمیشہ دل پر — نالہ و آہ کا ہر دم ہے جگر پر ڈنکا
ہر جگہ دولت دنیا کا ہے عالم میں فسا[illegible] — ہے کہیں مال پہ ڈنکا کہیں زر پر ڈنکا
فتنہ انگیز ہے وہ چال تمہاری جس سے — سر ہر گام ہے راہگذر پر ڈنکا
دل پہ اندوہ کا انبوہ نہ سمجھو کہ یہ ہے — دنگئی فوج کی سردار کے سر پر ڈنکا
منزل امن ہے عالم میں رہ خیر و صلاح
اے ظفر ہے روش فتنہ و شر کا ڈنکا

جو کچھ کہوں تو بتاؤ مجھے جنوں کیا خوب — غرض کہ آپ بھی ہیں واہ ذو فنوں کیا خوب
تم ایک بوسہ نہ دو مجکو اور لو ہیں مفت — دل اپنا دوں تمھیں اپنی جان دوں کیا خوب
بھلائے نیم نگہ میں جو اک جہان کے ہوش — تمہاری چشم کو بھی یاد ہے فسوں کیا خوب
چمک کو دیکھ کے اس کی پڑے نہ برق کو کل — ترے ہے پاؤں میں کفش کلابتوں کیا خوب
جو خوب رنگ حنا چاہتے ہو ہاتھوں میں — تو دیکھو رکھتا ہے سرخی ہمارا خون کیا خوب
تمہاری بزم میں غیروں سے ہووے سرگوشی — ہم آہ بیٹھے رہیں جیسے سرنگوں کیا خوب
ہزار خوب ہوں عالم میں خوبرو لیکن — ترے مقابلہ میں انکو میں کہوں کیا خوب
بہا رہی ہیں جو یہ اشک میرے دیدۂ تر — بجھی گی ان سے مری سوزش درون کیا خوب

بہار لالہ چمن بن نہ دیکھ ان کو دیکھ
ظفر ہیں یار کے رخسار لالہ گوں کیا خوب

صورت شبنم نہ یہاں ہر گل سے سرگوشی ہے خوب
اس چمن میں غنچہ کے مانند خاموشی ہے خوب

خواب میں کس کے لب میگوں کا بوسہ لے لیا
آج جو ہم کو نہیں کچھ ہوش بیہوشی ہے خوب

جو کہا غیروں نے تم سے تم نہ رکھو لیں یاد
یاد رکھو ایسی باتوں میں فراموشی ہے خوب

عید کے دن بھی نہیں ہوتے بغلگیر آن کر
ان دنوں غیروں سے جو اُنکو ہم آغوشی ہے خوب

جس جگہ اہل ہنر کے بے ہنر ہوں عیب جو
وہاں ہنر کے فاش کرنے سے ہنر پوشی ہے خوب

چڑھ رہی آنکھیں ہیں تیری چہرہ سے اُترا ہوا
کی کسیکے ساتھ تو نے آج مے نوشی ہے خوب

تاب حسن یار دریا میں پڑی جیسے ظفر
کر رہی ہر موج دریا بادلہ پوشی ہے خوب

یوں گم ہو جذب عشق کی تاثیر یا نصیب
اتنی ہو اُن کے آنے میں تاخیر یا نصیب

تقدیر کے بگاڑ کی تدبیر کیا کریں
بنتی نہیں ہے کوئی بھی تدبیر یا نصیب

دل کو ہوئی نصیب نہ میرے شگفتگی
گاہے برنگ غنچۂ تصویر یا نصیب

اُس بے وفا نے قتل پہ باندھی ہے کمر
سمجھا مری وفا کو وہ تقصیر یا نصیب

منت ہی کے بہانہ سے دیوانہ کو ترے
طفلی میں بھی نصیب ہو زنجیر یا نصیب

سیراب تشنگان شہادت نہ ہونے پائے
بے آب ہو گئی تری شمشیر یا نصیب

اے شہسوار حسرت فتراک میں ترے
جی دے تڑپ تڑپ کے یہ نخچیر یا نصیب

کیونکر کہوں میں اُن کو بُرا وہ بُرے نہیں
کرتی بُرائی مجھ سے ہے تقدیر یا نصیب

یا خم اُٹھا کے منہ سے لگا لیتے تھے مدام
یا کانپتا ہے دست قدح گیر یا نصیب

دیتے ہیں تجھ کو ہم دل بیتاب کے کباب — کیا طرفہ تر ہیں ماہی بے آب کے کباب
مژگان پہ ٹکڑے یہ دل پرخون کے ہیں کباب — ہیں سیخ پر لگے ہوئے سرخاب کے کباب
کھائیں دل برشتہ نمکین پی کے اشک ہم — دیتے مزے ہیں ساتھ مئے ناب کے کباب
یہ دشمنوں کے ساتھ تری گرم جوشیاں — کرتے ہیں دل کو رشک سے احباب کے کباب
زاہد تمام عمر مزے ہی لیا کرے — مے بادہ کش جو منہ سے کوئی چاب کے کباب
کرتے ہیں نسر طائر گردوں کو تفتہ دل — شعلے سے اپنی آہ جگر تاب کے کباب
کہتے ہیں جس کو عشق وہ ہے اس بلا کی آگ — ہو جائیں جس سے طائر سیماب کے کباب
جیسے کئے ہیں ٹکڑے مرے دل کے عشق نے — ایسے بنے نہ ہاتھ سے قصاب کے کباب

جو آبرو ہے عشق میں آنسو کو اے ظفر
ہے ایسے منہ پہ گوہر خوش آب کے کباب

منعم و مفلس ہیں دونوں بزم ہستی میں خراب — مال مستی میں ہے یہ وہ فاقہ مستی میں خراب
ہیں کبھیں تیری وہ آفت ہو جن کے ہاتھ سے — دو جہاں اک ضربت تیغ دو دستی میں خراب
یاں ترقی و تنزل سے مثال گرد باد — گہ بلندی میں ہیں ہم اور گاہ پستی میں خراب
صرف ہو جام و سبو میں خاک اپنی ساقیا — تا نہ ہو مٹی ہماری مے پرستی میں خراب
تنگدل کو یوں خرابی میں رکھے دست فراغ — جس طرح سے ہووے کوئی تنگدستی میں خراب
قیس اور میں عشق میں دونوں ہیں آوارہ مگر — وہ ہے جنگل میں خراب اور میں ہوں بستی میں خراب

حق پرستی کا جنہیں دعوی تھا ایسے اے ظفر
عشق کے ہاتھوں سے ہیں وہ بت پرستی میں خراب

ہے ترے قد کے سامنے سرو چمن خراب — ہیں تیرے رخ کے آگے گل یاسمن خراب

مطلع ثانی

دل کو کرے گا خوب یہ دیوانہ پن خراب
اس کے ابھی سے ڈھنگ ہوئے ہیں چلن خراب

جسطرح وقت صبح کے فانوس میں ہو شمع
یوں خال دل جلوں کا ہے زیر کفن خراب

کر دیگی صوفیوں کو خراباتیوں کی طرح
اک پل میں چشم ساقی پیمان شکن خراب

جیسے نہیں چمن میں تو اے رونق چمن
بلبل خموش گل ہیں پریشاں چمن خراب

پروانہ کو یہ اپنے جلانیکی لو لگے
پھرتا ہے گرد شمع پئے سوختن خراب

اپنے صفائے گوہر دنداں جو تو دکھائے
کوڑی کے تین تین ہوں در عدن خراب

قاتل سنبھل کے قتل کر ایسا نہو کہ ہو
چھینٹوں سے میرے خوں کے ترا پیرہن خراب

تو اور بحر و قافیہ میں لکھ غزل ظفر
اس طرح کو کہیں اگر اہل سخن خراب

دیگر

ہمارا اور علم ہم کو اس عالم سے کیا مطلب
کسی سے کیا غرض ہم کو کسی کو ہم سے کیا مطلب

تماشے سب جہاں کے ہم نے دیکھے ساغر مے میں
قسم آنکھوں کی ساقی ہم کو جام جم سے کیا مطلب

جراحت میں مرے کچھ نون مرچیں سبکے بھر دو
کہ ہے یہ زخم عاشق کا اسے مرہم سے کیا مطلب

عرق آلودہ عارض تیرے دیکھوں اے گلستاں رو
مجھے کیا کام گلشن سے گل و شبنم سے کیا مطلب

سیہ بختی سے اپنے اس بلا کے پیچ میں آیا
وگرنہ دل کو میرے زلف خم در خم سے کیا مطلب

جو یہ سمجھے کہ ملتا ہے وہی جو کچھ ہے قسمت میں
رہا اُن کو ظفر پھر فکر بیش و کم سے کیا مطلب

ردیف الیای فارسی

یا تو وہ ہر روز اُس شیریں شمائل سے ملاپ
یا کبھی برسوں نہیں بھی ہوتا ہے مشکل سے ملاپ

یار کے ابرو ہی کا ہے میل ماہِ نو سے کیا
بلکہ ہو رخسار کا بھی ماہِ کامل سے ملاپ

یوں جو مل بیٹھے تو کیا ہے دل لگی کا جب مزا
دونوں ہم تم ایک دل ہوں دل کا دل سے ہو ملاپ

چومتا ہوں میں لبِ ہر زخم سے اُس تیغ کو
جو کہ رکھتی ہے زیادہ دستِ قاتل سے ملاپ

دل سے بھی لگ چلنے والا کوئی ہو تو خال خال
جو بڑھائے مل کے خالِ رخ سے تل تل سے ملاپ

گر ارادہ ہو کہ پوچھوں منزلِ مقصود کو
عشق سے مل جل نہ چھوڑا اس میر منزل سے ملاپ

جس کو ہو جہلِ مرکب اُس سے کوسوں دور بھاگ
اے ظفر اچھا نہیں ہے ایسے جاہل سے ملاپ

ساتھ میرے چلے چلو چپ چپ
راہ میں تم نہ کچھ کہو چپ چپ

گھر میں چل کر شکایتیں کرنا!
یہاں نہ مجھ سے گلہ کرو چپ چپ

کہیں ایسا نہ ہو سنیں دو چار
مجھکو تم ایک بوسہ دو چپ چپ

راز پنہاں فغاں سے کھلتا ہے
حضرتِ دل بس اب رہو چپ چپ

میرے جاتے ہی اُن کے غیروں سے
پھر لگی ہونے گفتگو چپ چپ

بوسۂ چشمِ سرمہ سا دیدو
منہ سے کیا مجھ سے کہتے ہو چپ چپ

بولتے تم تو کیا غضب کرتے
سو ستم کرتے ہو تو چپ چپ

ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ
نہ کرو شور بلبلو چپ چپ

دل کسی غنچہ لب کو تم نے دیا!
اے ظفر تم جو رہتے ہو چپ چپ

دیگر

گو موسمِ گرمی میں ہوئی تیز بڑی دھوپ
پر سوزشِ دل سے مرے ٹھنڈی پڑی دھوپ

پہونچے جو مرے نالۂ سوزاں کی نہ گرمی
خورشید سے ہوتا یہ قیامت نہ کڑی دھوپ

اس جلوہ سے یوں خشک لہو کے ہوئے آنسو
جس طرح سکھائے کوئی پھولوں کی لڑی دھوپ

زلف و رخ جاناں سے ہیں یہ سات کے دن روز — دو چار گھڑی ابر ہے دو چار گھڑی دھوپ

دانتوں کی چمک انجم شب تاب دکھا دے — کم کر دے جو دن کو تری مسی کی دھڑی دھوپ

ہے عکس فگن زلف سے اس کا رخ پر نور — یا ابر کے دامن میں سے چھن چھن کے جھڑی دھوپ

میرے نفس سرد کی سردی سے اکڑ کر!
کھاتی ہے ظفر باغ میں ہر شاخ کھڑی دھوپ

دیگر

کیوں نت دانکالے ہے تو اے رشک قمر ڈھانپ — درج دہن تنگ میں یہ سلک گہر ڈھانپ

اے پردہ نشیں حسرت دیدار میں تیرے — ہم جیسے پڑے روتے ہیں منہ دو دو پہر ڈھانپ

بسمل ہو نہ کیوں تیغ الم سے دل عاشق — لیتی ہے اسے باغ محبت کی سپر ڈھانپ

مارا ہے مجھے غمزہ پنہاں سے جو تو نے — تو منہ تو مری گور پہ با دیدۂ تر ڈھانپ

کثرت سے ستاروں کے فلک چھپ نہیں سکتا — لیں گے اسے اس نالۂ سوزاں کے شرر ڈھانپ

تر ہو عرق شرم سے کیا کیا رخ خورشید — لوں سینے میں اپنے جو نہیں داغ جگر ڈھانپ

نازاں ہو نہ دکھلا کے کسی کو ہنر اپنا — تو ڈھانپ سکے عیب کسی کا تو ظفر ڈھانپ

سبب ہے کیا جو وہ یوں اپنے غنچہ دہان ہیں چپ — نہ بولتے ہیں نہ ہنستے ہیں غنچہ ساں ہیں چپ

وہ لے رہے ہیں مزے ناوک ستم کے ترے — پڑے ہوئے جو ترے صید نیم جاں ہیں چپ

دکھاتے اپنی وہ تمکیں ہیں اور ہم حیرت — غرض کہ چپ ہیں وہاں وہ تو ہم یہاں ہیں چپ

بندھا ہے ہم سے وہ مضمون خال لب ترا — کہ جس کو سن کے ہوئے سارے نکتہ داں ہیں چپ

زباں ہے منہ میں ہمارے بھی پر ترے ڈر سے — ہمیشہ رہتے ہم اے شوخ بد زباں ہیں چپ

بہار ہو خزاں مثل بلبل تصویر — ترے فریفتہ اے رشک گلستاں ہیں چپ

ظفر نہیں ہے اگر باغباں کا کچھ کھٹکا
تو آج کیوں ہوئے مرغان بوستاں ہیں چپ

ردیف التائے فوقانی

شانہ اس زلف کے ڈالے ہے شکن میں انگشت
کون یوں دیتا ہے کالے کے دہن میں انگشت

کر دیا فاختہ کو عشق میں انگشت نما
سرو نے اپنی اٹھائی جو چمن میں انگشت

کریں اس چشم مفتن سے اگر ہمچشمی
تو کروں چشم غزالان ختن میں انگشت

دیکھ اس مانگ کو دانتوں کے تلے انجم نے
کہکشاں نے ہے دیا چرخ کہن میں انگشت

خونفشاں ہے جو کسی پای برہنہ کی خراش
کیا حنائی ہوئی ہر خار کے تن میں انگشت

پوچھے قاتل کو اگر کوئی تو کشتہ تیرا
نے اٹھا تیری طرف اپنے کفن میں انگشت

دست نازک پہ ظفر اس کے ہو بار نگین
ہو اگر خاتم یاقوت یمن میں انگشت

دیگر

اللہ ری تری مشق کماندار تنگ چست
بیٹھا مرے جگر میں ترا ہر خدنگ چست

کیوں کر بچاؤں جان کو میں چشم یار سے
باندھے کمر جو قتل پہ یہ خانہ جنگ چست

کیا کیا چمن میں رشک سے غنچہ ہوا ہے تنگ
رنگیں قبا جو دیکھی ترے بر میں تنگ چست

اس چشم پر ہے یوں دل پہ داغ دوڑتا
آہو پہ جست کرتا ہے جیسے پلنگ چست

دنبالہ چشم یار میں سرمہ کا دیکھنا
ہے دست ترک مست میں کیا ہی تفنگ چست

کہیے تو کوچہ گرد ہو کہیے جہاں نورد
ہر کام میں ہے عاشق بے نام و ننگ چست

مژگاں ہیں تیرے کس سے لڑائی پہ مستعد
ہے صف کی صف جو صورت فوج فرنگ چست

زاہد پڑا ہے سست اگر میکدہ کو جائے
ہو جائے پیکے جام مے لالہ رنگ چست

ہو جائے پیکے جام مے لالہ رنگ چست
مضمون شوق کے مری تاثیر سے ظفر

جو نامہ بر گیا سو گیا بید رنگ جست — دل نے لی یوں کہاں تیں چشم بت دلجو کی جست
جیسے آہو گیر کرتا ہے طرف آہو کی جست — دل تو کہتا ہے کہ تو کر جست بام یار پہ
پر نہیں ہے ناتوانی سے مرے قابو کی جست — صید ناوک خوردہ پر دور کھچی لیکر جو وہ
دیکھیے اسکا دم کوئی اس شوخ کمان ابرو کی جست — یہی ہو وہ چالاک وحشت میں مرے وقت قصد
ہوش اڑے فصاد کے بھی دیکھ کر لوہو کی جست — بالش پر نشتر کہ ان چالاکی ایسی ہو سکے
جیسے جوش گریہ سے مژگاں پہ ہے آنسو کی جست — ہے زمیں پر گاہ اور گاہے فلک پر مثل برق
کیا کہوں شوخی سی میں اس شوخ آتش خو کی جست — جا نہیں سکتا دل اسکے سامنے آ کر ظفر
وہ بلا ہے اس خدنگ غمزہ جادو کی جست

واسطے غیر کے ہر وقت ہو خلوت کا وقت
ہو کسی وقت نہ میرے لئے فرصت کا وقت — صبحدم اٹھ گئے نہ ہم دیکھیں ترا منہ کیونکر
نور کا وقت ہے قرآن کی تلاوت کا وقت — قامت یار کا آجائے ہے جس وقت خیال
میرے حق میں ہے وہ ہوجاتا قیامت کا وقت — آئے مدت میں ہیں وہ جائیں نہ برہم ہوکر
حضرت دل نہیں یہ وقت شکایت کا وقت — اسکی فرقت میں عجب حال ہے اس وقت اپنا
ناصحا جا نہیں یہ وقت نصیحت کا وقت
کیا کہیں اپنی مصیبت کہ جدائی میں ترے — ہم پہ ہر وقت گذرتا ہے مصیبت کا وقت
اس زمانہ میں ظفر مہر و محبت ہے کہاں
ہے یہ وقت اور گیا مہر و محبت کا وقت

کیا غضب ہیں تیز ظالم آرہ ہائے غم کے دانت — ہیں یہ گڑ جاتے جگر میں عاشق ہمدم کے دانت
دُر دنداں سے ترے نسبت گہر کیا ٹھیک گل — گو وہاں غنچہ میں ہیں گوہر شبنم کے دانت
عشق اس آہو نگہ کا ہے قوی دست اس قدر — مارے گر منہ پر طمانچہ جھڑ پڑیں ضیغم کے دانت
اس فلک کو دشمن عالم نہ میں کیونکر کہوں — پیستا ہے یہ ہمیشہ سر پہ اک عالم کے دانت
کان کے بالے کے موتی الجھے بالوں میں نہیں — ہیں یہ اس مار سیاہ زلف خم در خم کے دانت
سامنے آئے مرے گر عشق کے میدان میں

کھٹے گردوں ایکدم میں اے ظفر رستم کے دانت

آشنا کون رہا جس سے رکھیں ہم صحبت — نہ وہ ہمدم نہ وہ ہمدرد نہ وہ ہم صحبت
زلف کے چھیڑتے ہی ایسے ہوئے وہ برہم — روشن زلف پریشاں ہوئی برہم صورت
کم نصیبی یہ ہماری ہے کہ جو غیروں سے — اُن کا اخلاص بڑھا ہم سے ہوئی کم صحبت
کرتے کس لطف سے آپس میں ہیں یہ سرگوشی — شیشہ و جام میں ساقی رہے جم جم صحبت
عشق میں ہیں تو یہی اپنے مصاحب دونوں — ہم رکھیں کس سے سوائے الم و غم صحبت
دیکھنا اُس رُخِ روشن پہ عرق کے قطرے — رکھتی کیا مہر درخشاں سے ہے شبنم صحبت

چرخ ہے تفرقہ پرداز غنیمت ہے ظفر
کہیں دو یاروں میں نبہ جائے جو یکدم صحبت

دیگر

اپنے جلسہ میں کہاں عیش و طرب کی بات چیت
یا ہے چرچا غم کا یا رنج و تعب کی بات چیت

مطلع ثانی

لگتی ہے شیریں ہمیں اُس پستہ لب کی بات چیت — اور ہے معلوم ہوتی تلخ سب کی بات چیت
وہ خفا ہو کر جو کہتے ہیں تو ہم ہوتے ہیں خوش — گالیوں میں بھی ہے اُن کے اپنے ڈھب کی بات چیت
قتل کر ڈالے ہزاروں کو ابھی اک بات میں — یاد ہے اس پر غضب کچھ اس غضب کی بات چیت
وہ خوشی سے نا دیتے ہیں کوئی بوسہ ہمیں — ہم نہیں کر سکتے اُن سے کچھ طلب کی بات چیت
باتیں اگلی سی عنایت کی ہیں اب تم میں کہاں — ہے خدا جانے یہ کب کا ذکر کب کی بات چیت
زلف سرگوشی کرے ہے رکھ کے اُسکے منہ پہ منہ — تو نے اے شانہ سنی اس بے ادب کی بات چیت
مدرسہ ہے تو ہے واعظ اور ذکر حور عین — میکدہ ہے ہم ہیں اور بنت عنب کی بات چیت

حرف رنجش درمیاں آنیکا ہے کچھ تو سبب

اے ظفر اُس نے نہیں یہ بے سبب کی بات چیت

دیگر

کیا بوسہ تری زلف کا سب لے ہی لیا چٹ — ہیں ہم بھی عجب کوئی بلا نوش بلا چٹ
ڈر اُس کے بگڑنے کا نہیں دِ رہے تو یہ ہو — لیگا وہ ابھی دل سے کوئی بات بنا چٹ
جائیں گے چٹک غنچے اگر باغ میں بلبل — دینگے یہ تجھے چٹکیوں میں دیکھ اُڑا چٹ
شانہ کی کبھی ایک بھی چٹکی نہیں اُنکی — زلفوں کی ہمیں لیتی بلائیں ہیں چٹا چٹ
جب بوسۂ لعل نمکین یاد کسیکا — آتا ہی تو آجاتا ہے لب منہ میں مزا چٹخٹ
تو زہر بھی دیگا تو اُسے شہد سمجھ کر — کر جائے گا عاشق ترا لے ہوش ربا چٹ
ہو کیسر ہو دل میں نہ زاہد کی صفائی — جب تک نہ کرے ریش کو رندوں میں صفا چٹ
ہے تار محبت بھی عجب رشتۂ نازک — جب دل میں کبھی وٹ ہوئی یہ ٹوٹ گیا خٹ

اچھے سے نہ کام اس کو نہ مطلب ہے برے سے
گر جائے ہے اک روز ظفر سب کو قضا چٹ

ظالم بلا سے سر کو تو اس مبتلا کے کاٹ — لیکن نہ بات غیروں میں باتیں بنا کے کاٹ
اے دل اُٹھا نہ ہاتھ محبت سے ہجر میں — دن جس طرح کٹیں یہ مصیبت اُٹھا کے کاٹ
ہمسر جو تجھ سے گل ہو تو اُس کا جگر تمام — شبنم چمن میں دے ابھی ہیرا کھلا کے کاٹ
اے مار زلف یار مجھے کیوں ڈسے ہے تو — چھیڑا اگر ہے دل نے تجھے اس کو جا کے کاٹ
گن گن کے تارے کرتے ہیں ہم صبح اس طرح — دیتے ہیں رات ہجر میں اس مہ لقا کی کاٹ
حاضر ہیں چارسو سینہ و دل جان اور جگر — جو زنگ کاٹ تیغ نگہ کا دکھا کے دیکھ

منظور کوہ غم ہے گر کاٹنا تجھے
نالہ کو اپنے تیشہ ظفر تو بنا کے کاٹ

جس وقت ترے تجھ سے طرفدار گئے لوٹ — جو جو کہ ترے دل میں تھی بنیاد گئے ٹوٹ

مطلع ثانی

اب تو ترے پیمان سبھی یکبار گئے ٹوٹ — آگے تو یہ تھا چار رہے چار گئے ٹوٹ
ٹکرایا سر اپنا تری فرقت میں ہم نے — سب گھر کے ہمارے در و دیوار گئے ٹوٹ
ہے رنج مجھے سینہ کے کیوں آبلے پھوٹے — افسوس مرے گوہر شہوار گئے ٹوٹ
دل سنگ ہے گر تیرا تو کیا اُنسے حذر کر — یہ نالے وہ ہیں جنسے کہ کہسار گئے ٹوٹ
صیاد جفا پیشہ نے چھوڑا بھی تو کس وقت — جب بال و پر مرغ گرفتار گئے ٹوٹ
اس طرح لگایا ہے گلے سے تجھے کس نے — جو آج گلے کے یہ ترے ہار گئے ٹوٹ
تیروں کو ترے جب مرے سینہ سے نکالا — پیکان کئی ٹوٹے کئی سوفار گئے ٹوٹ

عاشق جو ہوئے اس پہ ظفر کافر و دیندار
آپ آپ میں سب سبحہ و زنار گئے ٹوٹ

دیگر

وہ کھا گئے سو بار مرے آگے قسم جھوٹ — اور پھر ہے یہ دعوے کہ نہیں بولتے ہم جھوٹ
جو سوز محبت سے لگی آگ ہے دل میں — تم اس کو بجھا سکتے ہو اے دیدۂ نم جھوٹ
وہ پوچھا ہیں سو لکھیں ہمیں پر ہم اپنے — کیا دخل کریں خط میں جو یک حرف رقم جھوٹ
کیا دیکھا خدائی میں اگر تجھکو نہ دیکھا — یہ بات ہے سچ شک نہیں واللہ صنم جھوٹ
ہے ابروے پرخم کا اثر اور ہی عالم — تیغ صفہانی میں کہاں ایسا ہے خم جھوٹ
جو ظلم و ستم کئے ترے سچ ہے ستمگر — اور جتنے بیان کئے کیجے ترے لطف و کرم جھوٹ
جو اور کہانی ہے وہ ہے جھوٹ سراسر — لیکن نہیں عاشق کا ترے قصۂ غم جھوٹ
دم دیتے ہیں ہم انپہ تو وہ ناز سے ہنسکر — کہتے ہیں کہ دمباز ہو تم دیتے ہو دم جھوٹ

سو بار کہا آنے کو یکبار نہ آئے مگر
کہتا وہ ظفر بولتے ہیں ہائے ستم جھوٹ

دیگر

رات کو جاتے تھے تم غیروں کے گھر سچ ہے کہ جھوٹ
چھپ گئے تھے آپ ہم کو دیکھکر سچ ہے کہ جھوٹ

ان کے آنے کی سنی ہے ہم نے اڑتی سی خبر
اے صبا تو سچ بتا دے یہ خبر سچ ہے کہ جھوٹ

اپنا جلوہ تم دکھا دو سب کو تا معلوم ہو
ہم جو کہتے ہیں تمھیں رشک قمر سچ ہے کہ جھوٹ

کھینچتے ہیں آج اے دل انکو ہم اپنی طرف
دیکھتے ہیں جذب الفت میں اثر سچ ہے کہ جھوٹ

خط میں تو ہے سر بسر مضمون الطاف و کرم
پر خدا جانے لکھا ہے نامہ بر سچ ہے کہ جھوٹ

جب فلک جل بھن کے سرتاپا نہ ہو جاوے خاک
کوئی کیا جانے مرا سوز جگر سچ ہے کہ جھوٹ

عشق میں جو حال ہے میرا نہیں اسمیں خلاف
قصہ مجنوں خدا جانے ظفر سچ ہے کہ جھوٹ

دیگر

قول بھی جھوٹ قسم بھی بت گمراہ کی جھوٹ
جو کہے وہ اسے جانو قسم اللہ کی جھوٹ

لوگ کہتے ہیں تجھے مہر وش و مہ رخسار
نہ تو یہ مہر کی ہے شکل نہ ہے ماہ کی جھوٹ

آشنا کون ہوا در پہ ہے تجھے کون کہ ہے
روش الفت کی غلط طرز تری چاہ کی جھوٹ

سنگدل ہے یہ وہ پتھر کہ نہو موم کبھی
ہوئی دلمیں تے تاثیر مری آہ کی جھوٹ

تم جو ہر بات پہ ٹھہراتے ہو جھوٹا کہیے
دیکھی بات آپ نے بتلا نہ بندہ درگاہ کی جھوٹ

منہ سے لوگوں کے یہ سنتے ہیں کہ آج آئیگا وہ
پر خدا جانے خبر سچ ہے کہ افواہ کی جھوٹ

اے ظفر دلمیں ہے جو تیرے وہ سب جانتے ہیں
بول محفل میں نہ یاراں دل آگاہ کی جھوٹ

ہمارے پاس جب سوتے ہو تم لیتے نہیں کروٹ
چڑھے ہو آج سینہ پر کرینگے خوب ہم بیٹ

یہیں کرو رات آج تو گھر میں ہی میرے
ادھر بچھا چھپر کھٹ ہے ادھر بچھا ہو بستر

وہ پٹ پٹ غصے سے کرتے ہیں باتیں سامنے میرے
گریں کیونکر نہ میرے اشک حسرت آنکھ سے ٹپ ٹپ

تماشہ قدرت حق کا نظر آئے تجھے زاہد
اٹھا دے وہ بت کافر اگر منہ سے ذرا گھونگھٹ

نہ اٹھیں کشتۂ رفتار تیرے شورِ محشر سے
سنیں جب تک نہ کانوں سے تیرے پاؤں کی وہ آہٹ

پسینے سے ہمارے آج ہے بوئے گلاب آتی
ہوئے تھے خواب میں بس گلبدن سے شب کو ہم غٹ پٹ

مجالِ آستاں بوسی ظفر تو تو نہیں ہم کو
تصوّر سے مگر ہم چومتے ہیں یار کی چوکھٹ

ردیف الثائے مثلثہ

خدا جانے ترا کل سے نہ یہاں آنیکا کیا باعث
ہوئی تقصیر کیا ہم سے قسم کھانیکا کیا باعث

کوئی مفسد ملا رستے میں اُس نے تمکو بہکایا
کہ یہاں تک آکے اُلٹے گھر کو پھر جانیکا کیا باعث

نہیں کھُلتا کہ کس بیمار کو ہے یاس صحت سے
مقفل ہے جو دروازہ شفاخانہ کا کیا باعث

کوئی وحشت سے یہ پوچھے کہ ہم سے خاک زادوں کو
بگولے کی طرح صحرا میں دوڑانیکا کیا باعث

تمہاری زلف سے اُلجھی ہے شانہ اس سے برہم ہو
خطا کی میں نے کیا اب مجھسے بل کھانیکا کیا باعث

لگا دو منھ سے منھ میرے تم اپنا کھولکر گھونگھٹ
کیا پیارے ساتھ سونے میں ہے شرمانیکا کیا باعث

چلے آؤ ظفر کے ساتھ ہنستے بولتے پیارے
برابر آتے آتے پیچھے رہجانے کا کیا باعث

ردیف الجیم تازی

سایۂ زلف میں گم ہے کمر یار کا کھوج
اس اندھیرے میں کہاں ڈھونڈھیے کتار کا کھوج

سیلِ گریہ سے ہوئی خانہ خرابی ایسی
نہ رہا در کا پتہ اور نہ دیوار کا کھوج !

کوچۂ زلف میں گو شانہ پھرا سرگرداں
نملا پر نہ ملا میرے دلِ زار کا کھوج

جب ہوئی رخصت پرواز قفس سے ہمکو
کہ جو ڈھونڈھا تو نپایا گلِ گلزار کا کھوج

لاغری سے ہے یہ حالت کہ نہیں ہاتھ آیا
بسترِ غم پہ ترے عاشقِ بیمار کا کھوج

نہ وفا دیکھی نہ دیکھا کوئی خواہانِ وفا
نہ کہیں جنس کا پایا نہ خریدار کا کھوج !

قطعہ

رفتہ رفتہ روش چشم نشاں کف پا
مٹ گیا اس تیرے حسرت کش دیدار کا کھوج
زلف کافر تری برہم زن اسلام جو ہو
نہ رہے دیں کا نشاں اور نہ دیندار کا کھوج
یوں گیا دل سے گذر میرے ظفر تیر اُسکا
کہ نہ پیکاں کا ملا اور نہ سونار کا کھوج

ہوا ہے عہد میں ظالم تری جفا کا رواج
کہاں ہے رسم محبت کہاں وفا کا رواج
جو دیکھیں خوں سے بھرے اُس نگار کی سرخ
تو نگر خوں میں نہ ہرگز رہے حنا کا رواج
ترا مریض کرے کیا کہ درد فرقت میں
نہ ہے دوا کا رواج اور نہ ہے دعا کا رواج
جھکا رہے ہے جو یوں چشم شرمگیں نرگس
ابھی ہے کچھ چمن دہر میں حیا کا رواج
کرے نہ کیونکہ وہ عاشق کا بے تامل خون
کہ جانتا ہی نہیں اسمیں خوں بہا کا رواج
بدن پہ سمجھے ہے مجنوں برہنگی کو لباس
دیا جنوں نے اٹھا جامہ و قبا کا رواج
جہاں میں پہلے بھی تھے خوش ادا پر ایسا تھا
جو تیرے عہد میں ہے غمزہ و ادا کا رواج
وہ خط بھی لکھتے ہیں خط غبار سے ہمکو
کیا کدورت دل نے یہ کم صفا کا رواج
سمجھ کے دیکھو ظفر دلبروں کو دل اپنا
کہ ہے فریب کی رسم انمیں اور دغا کا رواج

دیکھیو کس خوبی سے ہے ابرو میں اُس دلجو کی کج
دیکھا ہو ویگا نہ ایسا شاخ میں آہو کی کج
چرخ کجرو سے نہیں جاتی کبھی ہرگز کجروی
اے عزیزو ہے طبیعت میں کچھ اس بدخو کی کج
دیکھتا ہے خم کو شمشیر صفاہانی کی کیا
اے مبصر دیکھ تو تلوار اُس ابرو کی کج
سر نہ اُٹھا ضعف سے جھککر جو نرگس کی طرح
رہ گئی گردن مریض نرگس جادو کی کج
بانکپن کی چال چلتا ہے جبھی وہ مست ناز
ہے کہاں رفتار ایسی موج آب جو کی کج
مارا ہے کس کج ادائی سے خدا جانے اُسے
قبر میں بھی ہے جو تیرے کشتۂ گیسو کی کج
بانکپن سب چھبتا ہے اس کو اے ظفر زیبا
ہو کلہ کج یا کہ ہو دستار اُس مہ رو کی کج

تو لکھ کے خط نہ بھیج زبانی خبر تو بھیج
یہ آدمی جو بھیجے کوئی معتبر تو بھیج

پھولوں میں اپنے کشتہ کے ظالم گیا نہ تو
دو چار پھول اس کے کبھی گور پر تو بھیج

کوئی تو روئے گور غریباں پہ اے فلک
آئے اگر نہ شمع کبھی ابر تر تو بھیج

صیاد نے نہ جانے دیا مجھکو باغ تک
لیکن صبا کے ہاتھ دیئے میرے پر تو بھیج

خط دیجئے نامہ بر کو نہ بھیجا تو کیا ہوا
دیتا ہوں ہاتھ اشک کے لخت جگر تو بھیج

یارب اجل ہی آئے نہ آئے اگر وہ یار
یہ درد دل کا میرے کوئی چارہ گر تو بھیج

دل سے نہیں ہے اور کوئی چیز تحفہ تر
تو بھیجتا ہے تحفہ ایسے اے ظفر تو بھیج !

ہم نہ ہیں مال کے محتاج نہ زر کے محتاج
ہیں فقط تیری عنایت کی نظر کے محتاج

خواہش بوسہ ہے تیرے لب شیریں سے مجھے
اے شکر لب نہیں ہم قند و شکر کے محتاج

نور افزائے بصر جبکہ ہیں تیرے رخسار
وہ نہیں روشنی شمس و قمر کے محتاج

یا کبھی رہتے تھے گلشن ہی میں یا مدت سے
ہم قفس میں ہیں صبا گل کی خبر کے محتاج

اشک لخت جگر اپنے ہیں جو یہ دامن میں
ان کے دولت نہیں ہم لعل و گہر کے محتاج

جو تری تیغ غم عشق سے ہو سینہ سپر
وہ بجز داغ جگر ہوں نہ سپر کے محتاج

چشمہ و دجلہ و جود بحر سحاب نیساں
اے ظفر سب ہیں مرے دیدہ تر کے محتاج

ہیں ترے شیفتہ و مال نہ زر کے محتاج
بھوکھے اک ناز کے ہیں ایک نظر کے محتاج

جنکو بوسہ ہو میسر لب شیریں کا ترے
اے شکر لب وہ نہوں قند و شکر کے محتاج

دیجیے کسلئے بھر دے پہ عمل اپنا اسکو
نالہ و آہ تو دونوں ہیں اثر کے محتاج

سامنے تیغ غم یار کے سر باز وفا
ہوں بجز داغ محبت نہ سپر کے محتاج

اشک لخت جگر اپنے کے بدولت عاشق
ہوں نہ دنیا میں کبھی لعل و گہر کے محتاج

نکہت گل کی روش رہتے ہیں جو خانہ بدوش
وہ مسافر نہیں اسباب سفر کے محتاج
دل سے ہے دل کو ظفر راہ نہونگے ہرگز
اُن کے ہم اور ہمارے وہ خبر کے محتاج

ردیف الجیم فارسی

ہر اک کے سر پہ تیغ نہ یوں بیدرنگ کھینچ
تو ہاتھ قتل خلق سے اے خانہ جنگ کھینچ

تو وہ ہے بحر جیسی کہ ظالم تری بھویں
یکجائی آشنا کو ہیں مثل نہنگ کھینچ

اے شوخ تجھسے عالم تصویر کی شبیہ
کیا منہ سے لیں مصور چین و فرنگ کھینچ

فرہاد دیکھ کوہکنی میں نہ ہاتھ ڈال
دب جائے تیرا دست نہ یاں زیر سنگ کھینچ

نکلا جو یہ تو جائیگا دم بھی مرا نکل
اے چارہ گر نہ سینہ سے اسکا خدنگ کھینچ

سر مارے پہ بچھوئے جسے مار کر کمند
لے تیری زلف خم بخم اے شوخ بسنگ کھینچ

کھینچتا ہی مجھسے اور کبھی وہ غنچہ لب ظفر
لیتا ہوں دل سے آہ جو ہوں میں کے تنگ کھینچ

نہ پیچ یار کا اے دل نہ تجھ کو تپ کا پیچ
یہ پیچ بخت کا پیچ اور نصیب کا پیچ

وہ پیچ کرتا ہے رہنے دے کیونکر پاس مجھے
کہ جان جاتا ہے پانندہ ہاں رقیب کا پیچ

کھلے ہے دام کے رشتہ کا پیچ کب صیاد
پڑا ہوا ہے یہ تقدیر عندلیب کا پیچ !

تمھاری زلف کا ہر پیچ وہ بلا کہ ڈرے
بلا بھی دیکھ کے اس اژدر مہیب کا پیچ

مریض عشق ہو جانبر دوا سے کیا ممکن
یہ نسخہ کھلتا دلاسے سے طبیب کا پیچ

بگولا اس کو نہ سمجھو کہ دشت غربت میں
یہ کھا رہا ہی غبار اب کسی غریب کا پیچ

سب آشنا زمانے میں یکساں ظفر نہیں دشمن و دوست
کہ جو ہے پیچ عدو کا وہی حبیب کا پیچ

منہ پھیرا اس نے مجھے دیکھ کے پیچوں پیچ
ہو گیا پھر کے وہ مجھ سے مرا دشمن بیچ بیچ

باغ میں کرتا ہی گل چاک گریباں اپنا
کیا تجھے دیکھ کے دیوانہ گیا بن بیچ بیچ

کیا ستم ہے مرے جانب سی جو کچھ میرے عدو
جھوٹ موٹ اس سے کہیں جلنے دو بیچ بیچ

شعر بھی جوش رہی گریہ کا تو کوئی دم میں
پاٹ دریا کا بنے گا مرا دامن بیچ بیچ

گل جو پھولے نہیں جامہ میں سماتے ہیں صبا — آ گیا کیا باغ میں وہ غیرتِ گلشن پیچ پیچ
ابھی مر جاؤں اگر مجھکو یقیں ہو کہ وہ شوخ — آئے گا گور پہ میرے پس مردن پیچ پیچ
یوں ہلی زلف ہوا سے کہ ڈرا میں دل میں — کاٹ کھائے گی ابھی اڑ کے یہ ناگن پیچ پیچ
جب ہنسی سے ہوئے رنگین لب نازک اُس کے — برگ گل بنگئے برگ گلِ سوسن پیچ پیچ

قشقہ ماتھے پہ ہے زنار گلے میں ہے ظفر
بن گیا عشق میں اس بت کے برہمن پیچ پیچ

نقاش نقشہ کھینچ سکے اُسکا گر تو کھینچ — کیا کھینچتا ہے دیکھیں دہان و کمر تو کھینچ
کیوں کھینچتا عبث ہے دلا آہ بے اثر — گر جانتا ہے کچھ بھی ہنر اسمیں اثر تو کھینچ
قمری یہ کیا کریگا ستم اور عشق سرو — ڈالا گلے میں طوق دیا دار پر تو کھینچ
بولے گا اس کے سامنے اے غنچہ منہ کو کیا — بہتر تو اپنا جیب خجالت سے سر تو کھینچ
کیوں دیر کر رہا ہے اگر میرے قتل پر — تلوار تو نے باندھی ہے اے فتنہ گر تو کھینچ
کہتا ہے جذب شوق کہ میں کھینچلوں ادہر — اُس تنگ دل کو لائے کبھی یہ ادھر تو کھینچ

ایسے نہیں ہیں وہ جو چلے آئیں گے ابھی
تو اُن کا انتظار ظفر دو پہر تو کھینچ

دیگر

ہم پہنچے وہاں جو لانگ کے گھر تین چار پانچ — جاسوس آئے ساتھ نظر تین چار پانچ

مطلع ثانی

بجن جو کاٹے میں نے پہر تین چار پانچ — مجھ پہ گئے برس وہ گذر تین چار پانچ
جیسا کہ آسماں پہ ہے یہ آفتاب ایک — ایسے ہیں میرے داغ جگر تین چار پانچ
ہیں ہمسے وہ پھرے ہوئے لیکن ہم اسے بھی — کرتے ہیں روز پھیرے اُدھر تین چار پانچ
ارواح تین خلط ہیں چار اور حواس پانچ — ہمسایہ بنے رفیق بستر تین چار پانچ

ہیں دوست گرچہ بہت سے بہت ہیں لیکن دو — اور کم سے کم عدد ہیں اگرچہ تین چار پانچ
رہتے ہیں روز کوچہ میں قاتل ترے پڑے — دو تین چار لاشے تو سر تین چار پانچ
خالی نہیں ہے عیب و ہنر سے کوئی بشر — لیکن ہزار عیب ہنر تین چار پانچ

بارہ امام ہی سے ہے اسلام کو قیام
ہیں یہ ستون دین کے ظفر تین چار پانچ

ردیف الحائے مہملہ

دل عشق میں جو میری نہیں لیتا صلاح — ٹھہرائی اس نے جی میں ہے کیا جانے کیا صلاح
بہتر ہے میرے حق میں نکل جانا شہر سے — اچھی نکالی تو نے جنوں مرحبا صلاح
کیوں ڈوبتا ہے چاہ زنخدان یار میں — اے دل یہ تجھکو دیتا ہے کون آشنا صلاح
بک بک کے سر پھرا نہ تو اپنا کہ پھر چکے — جو دل میں اپنے ٹھہر گئی ناصحا صلاح
بسم اللہ ایک تیغ ستم شوق سے نکال — بہتر ہے اب تو بس یہی اے پرجفا صلاح
سرگوشی اس سے زلف جو کرتی ہے دمبدم — شاید ترے پھنسانے کی ہے کچھ دلا صلاح

دیتا ہے کون کوچۂ قاتل میں اپنا سر
جبتک کہ اے ظفر نہیں دیتی قضا صلاح

گرچہ بجھائیں یار مرے سو کسی طرح — پر ایک سوز دل کی بجھے لو کسی طرح
ناخن سے تیرے پاؤں کے ہمسر نہ ہو سکے — اے گردش فلک یہ مہ نو کسی طرح
ہر چند ہے نصیب پہ موقوف وصل یار — پر چھوڑیے نہ اس کی تگ و دو کسی طرح
ہو اس رنگ گندمی کا دلا آدمی سے شوق — جبتک ہے زندہ کم نہ ہو تجھکو کسی طرح
مانیں نصیحتیں کہو کس کس کی ناصحو — دس کہتے ہیں کسیطرح اور سو کسی طرح
میں ضبط گریہ کرتا ہوں سو سو طرح مگر — اشکوں کی میری تھمتی نہیں رو کسی طرح

خورشید وار جن کے ہیں دل روشن اے ظفر

دیکھی اس ابرو کی جو تصویر کو اچھی طرح
پھر مصور دیکھیے کب شمشیر کو اچھی طرح

بن پڑھے خط پرزے پرزے یکقلم تونے کیا
پڑھ تو لینا تھا مری تحریر کو اچھی طرح

دیکھا جب گردش کو تیری چشم کی اے فتنہ گر
ہم نے جانا گردش تقدیر کو اچھی طرح

اپنی کیا اچھی عمارت پر ہو نازاں غافلو
دیکھ لو اگلوں کی یاں تعمیر کو اچھی طرح

کاتب قدرت نے گر ذرا وہ مصحف رخ لکھا
کیا ہی خط خوب سے تفسیر کو اچھی طرح

دل سے گھر اچھا نہیں ہے کوئی اے ناوک فگن
بیٹھنے دے اسمیں اپنے تیر کو اچھی طرح

ہو رہیں گے خار بھی مانوس پر اب تو جنوں
پاؤں پڑنے دے مری زنجیر کو اچھی طرح

جو تجھے منظور ہے کرنا وہی پر ایکبار
سن تو لے ظالم مری تقریر کو اچھی طرح

دیکھے دل اس سنگدل کو کر چکے ہم امتحاں
اے ظفر اس آہ بے تاثیر کو اچھی طرح

فقط ہے کیا لب میگوں ترا شراب کی طرح
ترا ہے طرۂ مشکین بھی مشکناب کی طرح

عجب نہیں ہے اگر تیر آہ سے میرے
ہوا پہ سہم کے جائے نکل عقاب کی طرح

خیال آئے ہے جب تیری سرد مہری کا
تو کانپتی ہے مری اس جگر کباب کی طرح

ترا جو رخ کتابی ہے اے گلستاں رو
وہ اک کتاب گلستاں کی ہے سو کتاب کی طرح

پھنسا بلا میں ہوا دل دیکھے گر نہ دیتا دل
تو مبتلا مری کیوں ہوتی اس عذاب کی طرح

نہ سمجھو اس کو بگولا بھٹکتی پھرتی ہے
یہ وحشت دشت کسی خانماں خراب کی طرح

نہ پوچھیے اس گل رخسار کے پسینے کو
ظفر ہزار نکالے کوئی گلاب کی طرح

زاہد و ہم اس صنم کا دھیان چھوڑیں کسطرح
اپنا وہ ایمان ہے ایمان چھوڑیں کسطرح

ہر طرح درد و الم سہتے پڑے ہیں جان کے
دیکھیے اب یہ ہماری جان چھوڑیں کسطرح

بن بلائے آج اسکے گھر میں ہم جاتے تو ہیں
پر یہ ڈر ہے دیکھیے دربان چھوڑیں کسطرح

غیر سے در پردہ تجھ کو کرنا ہے گر انکو مشورہ
وہ نہ اپنا پردہ دالان چھوڑیں کسطرح

کوچۂ قاتل میں تیرے ساتھ ہم کیونکر نہ آئیں
تجھ کو تنہا اے دل نادان چھوڑیں کسطرح

دل مرا حسرت سے کرنا خون اُسے منظور ہے
غیر کے ہاتھوں سے کھانا پان چھوڑیں کس طرح

دل مرا چھوٹا ظفر اس زلف سے پر دیکھیے
غمزہ و ناز و ادا و آن چھوڑیں کس طرح

بولا جو اک طرح سے صنم دوسری طرح
پھر یہاں بھی ہے خدا کی قسم دوسری طرح

اک طرح اپنی اُن کی ملاقات ہو سو ہے
کچھ اور ڈھونڈتے نہیں ہم دوسری طرح

گر اک طرح کے ظلم یہ کرتے ہیں صبر ہم
کرتے ہیں کچھ وہ اور ستم دوسری طرح

مجنوں کے جو قدم بقدم اک طرح یہ ہو
رکھے کبھی نہ اپنا قدم دوسری طرح

قطعہ

ایک یار اک طرح پہ انھیں لکھے کوئی حال
گر خط کرے دوبارہ رقم دوسری طرح

ہاتھ اُس کا قطع ایک تو ہو ایک طرح پر
اور دوسرا جو ہاتھ قلم دوسری طرح

جب اک طرح پہ چڑھتے نہیں دم پہ وہ ظفر
دم باز اُن کو دیتے ہیں دم دوسری طرح

کیوں لیں گے اب وہ مجھ سے گنہگار کی صلاح
دس پانچ دن سے اور ہے دو چار کی صلاح

مطلع ثانی

اُس کے خلاف کب ہو دل زار کی صلاح
دل کی وہی صلاح جو دلدار کی صلاح

کافی ہے اک نگاہ تری میرے قتل کو
دینے کا میں نہیں تجھے تلوار کی صلاح

رکھیں گے ہم خیال خط سبز کا ترے
ہم زخم دل پہ مرہم زنگار کی صلاح

امکاں کیا کہ آئے وہ میری طرف کبھی
جب تک کرے نہ اپنے طرفدار کی صلاح

برگشتگی بخت کا دیکھو مرے اثر
یہاں آتے آتے پھر گئی اُس یار کی صلاح

مر جائیے نہ ہو جیے منت کش مسیح!
دی تو یہی ہے اس دل بیمار کی صلاح

ناصح تجھے کہے یہ عقل مجھ سے کیوں کہ ہو
دیوانہ کیا جو مانے ہشیار کی صلاح

جی چاہتا ہے میرا غم دل بیاں کروں !
پر اے ظفر نہیں مرے غمخوار کی صلاح

آنکھ کیوں کرتا ہے ٹیڑھی رکھ نظر سیدھی طرح
ہم سے ملنا ہے تو مل اے عشوہ گر سیدھی طرح

کج نصیب اپنے تھے سیدھے اے دل خانہ خراب
ہم چلے آئے جو وہاں سے اپنے گھر سیدھی طرح

درد فرقت سے ہوں لیتا اس طرح میں کروٹیں !
رہتی بستر پر نہیں دم بھر کمر سیدھی طرح

ہیں تو مژگاں اس کی ٹیڑھیں پر مرے دل میں چبھیں
مثل پیکان و سناں و نیشتر سیدھی طرح

اس روش سیدھا بنایا رشک قامت نے ترے
سرو گلشن میں سینگے عمر بھر سیدھی طرح

میرا نالہ دیگا سارا تیرا ٹیڑھا پن نکال !
دیکھ چل اے آسماں کینہ ور سیدھی طرح

بات کا ان کے بھروسا کیا کہ ہیں وہ بولتے
دو پہر ٹیڑھی طرح اور دو پہر سیدھی طرح

جو ہوں ٹیڑھے ترچھے دکھلا ان کو اپنا بانکپن
ہم ہیں سیدھے سادھے ہم سے بات کر سیدھی طرح

ہر غزل کی اپنی ہے ٹیڑھی زمیں سنگلاخ
ہم کو بھاتی ہی نہیں ہے اے ظفر سیدھی طرح

آہ سحر کے دیکھ شرارے علی الصباح — چھپتے شرمگیں فلک پہ ستارے علی الصباح
کیا قہر ہے کہ غیر کے گھر رات کو رہو — اور آؤ وہاں سے گھر میں ہمارے علی الصباح
سنبل چمن میں کیونکہ نہ ہو غرق آب شرم — منہ دھو کے وہ جو بال سنوارے علی الصباح

ہوتا ہے تجھسے خواب میں جو شب کو ہمکنار
روتا ہے بیٹھکر وہ کنارے علی الصباح

خورشید کو نہ کیونکہ چڑھے تپ جو تفتہ دل
چھائے کو داغ دل سے اتارے علی الصباح

گذرا وہ روز ہجر مجھے مثل روز حشر
جب دن وہ اپنے گھر کو سدھارے علی الصباح

مژدہ دیا صبا نے ظفر کیا کہ ہنس پڑے
گل کھلکھلائے باغ میں سارے علی الصباح

ردیف الخائے معجمہ

جیسی فشرہ کی جو سخت دل خراب میں سیخ
دکھائی دی وہ پروئی ہوئی کباب میں سیخ

ہمیشہ نان پہ آسماں کے ہاتھو سے
خط شعاع کی ہے قرص آفتاب میں سیخ

نشا بغیر گزک بے مزا ہے اے ساقی
کباب کیا ہوئے خالی دھری ہے قاب میں سیخ

بری نظر سے جو دیکھے تجھے وہ اے مہوش
تو کردے آہ مری چشم ماہتاب میں سیخ

یہ دیکھو شعبدۂ برق کرکے آگ میں لال
لپیٹ دیتی ہے کیا چادر سحاب میں سیخ

کباب واسطے اس غش دماغ کر نہ لگے
نہ دھو کے پہلے کبابی اگر گلاب میں سیخ

بندھا خیال کبابوں کا رات کو جو ظفر
تو کہکشاں بھی لگی نشۂ شراب میں سیخ

ہے اوس کی چشم کی گردش سے آسماں کو چرخ
اور آسمان کی گردش سے ہے جہاں کو چرخ

قریب اس رخ روشن کے دیکھ کر در گوش
فروغ دے نہ مہ زہرہ کے قران کو چرخ

بتوں کے ہاتھ سے لٹوائے ہے زمانے میں !
ہمارے دین کو ایمان کو دل کو جان کو چرخ

کرے نہ جلوۂ شام و شفق پہ ناز اتنا
جو دیکھ لے ترے رنگ مسی پان کو چرخ

ہزار قصر و محل ہوں تو دے مٹا آخر
مثال نقش کف پا ترے نشاں کو چرخ

عجب نہیں ترے ابرو کے سامنے دل سے
اُٹھا دے مہ نو کی اگر کمان کو چرخ !

نہیں یہ کہکشاں گرے فغاں سے مرے
نکال دیتا ہے منہ سے ظفر زباں کو چرخ

وہ کیا شراب ہے شیشے میں آسماں کے تلخ
کیا ہے عیش کو جس نے کہ اک جہاں کے تلخ

نہ کیونکر تلخ مجھے اپنی جان شیریں ہو !
کرے کلام وہ شیریں ادا جو آن کے تلخ

جو بات دوست کی ہو تلخ بھی تو پی جائیں
ہم اس کو ایک دوا ہے حق میں جان کے تلخ

کرے ہے تیرا خط سبز تلخ کام مجھے یہ
کہاں سے لایا ہے ظالم یہ بنگ چھان کے تلخ

ستم ہے منہ کے وہ میٹھے ہیں دل کے زہر بھرے
بلا سے دل کے وہ میٹھے ہوں اور زباں کے تلخ

غم اس کا آیا ہے دل کو جلا کے تلخ نکر
ظفر کباب نہ رکھ آگے میہماں کے تلخ

ردیف دال مہملہ

لب اس کے ہیں جو مے خوشگوار میں آلود — تو چہرہ سرخ ہے آنکھیں خمار میں آلود
ذرا سنبھل کے چھری پھیر لے شکار فگن — کہ آستیں نہ ہو خون شکار میں آلود !
نہ کیوں ہو ابر گہر بار آب شرم میں غرق — جو زلف ہو عرق روئے یار میں آلود

ہمیشہ چھانتے ہیں خاک دشتِ وحشت کی — نہ کیوں کہ ہم ہوں سراپا غبار میں آلود
کہاں ہے مجھ میں دم اتنا کہ نشترِ فصّاد — لہو سے ہووے نکمہ جسمِ زار میں آلود
ترے پسینے کی خوشبو سے اے گلِ خوبی — تمام جامہ ہے عطرِ بہار میں آلود
ظفر وہ کھولے اگر اپنی زلفِ مشکیں کو
ہوا کے جھوکے ہوں مشکِ تتار میں آلود

دیگر

تجھ بن ہے خواب دیدۂ بیخواب سے بعید — اور صبر و تاب ہے دلِ بیتاب سے بعید
کس طرح دل کو سوزِ محبت میں ہو قیام — آتش میں ٹھہرنا تو ہے سیماب سے بعید
عالم کو گر ڈبوئے یہ طوفان گریہ سے — سمجھو نہ میرے دیدۂ پرآب سے بعید
جو دیکھا ان بتوں میں ہے ہم نے وزاہدا — کہہ سکتے ہم نہیں کہ ہے آداب سے بعید
تشبیہ دینی روئے عرقناک کو ترے — نزدیک میرے ہے گلِ سیراب سے بعید
میرے وفورِ گریہ سے ہالہ کو ماہ کے — نسبت نہیں ہے حلقۂ گرداب سے بعید
میرے گلے سے اُن کو لگا دیں جو عید کو !
ہے کیا ظفر عنایتِ احباب سے بعید

پھانس اُلفت کی نہ اے دل دیکھ نشتر سے کُرید — ڈھب ہے سوزنِ مژگانِ دلبر سے کُرید
دیکھ تو کتنے نکلتے ہیں ترے پیکانِ تیر — میرے سینہ کو ذرا تو نوکِ خنجر سے کُرید
جب ذرا بھرنے لگے ہے پائے مجنوں کی خراش — دے ہے نوکِ خارِ صحرا پھر نئے سر سے کُرید
مل گئے ہیں خاک میں کتنے ہی تیرے ہاتھ سے — پر نہیں کرتا کوئی ظالم ترے ڈر سے کُرید
ہاتھ آتا ہے نصیبوں سے دفینہ اے حریص — خاک تو بیفائدہ مت خواہشِ زر سے کُرید
ناخنِ حسرت نے چھیلا سینہ باہر سے مرا — کاوِ کاوِ غم نے ڈالا دل کو اندر سے کُرید
خاک میں میری دبی ہے آتشِ دل اے ظفر
گر نہ ہو باور تو کہہ دو اُس ستمگر سے کُرید

مچا ہے دل میں محبت کے شور و شر کا فساد
مٹے گا دیکھئے یا رب یہ کیونکہ گھر کا فساد

جلایا آہ کے شعلے نے خیمۂ افلاک
بڑھا ہے دیکھو تو کیا سوزشِ جگر کا فساد

لڑائی مجھ میں اور اُن میں ہے مفسدوں کے سبب
نہ ہے اِدھر کا فساد اور نہ ہے اُدھر کا فساد

بشر نہ جانیے شیطان ہے وہ فساد انگیز
ہمیشہ کام ہے دنیا میں جس بشر کا فساد

ہزار فتنۂ محشر سے بھی زیادہ ہے !!
تمہاری چشمِ مفتن کی اک نظر کا فساد

یہ دم کے ساتھ ہیں دنیا کے مفسدے سارے
جو نکلے دم تو مٹے دم میں عمر بھر کا فساد

بچشمِ غور جو دیکھا ظفرؔ زمانے میں
تو یا زمیں کا ہے یا زن کا یا ہے زر کا فساد

دیگر

بر سرِ مہر ہے ستم ایجاد
دوستو مجھ کو دو مبارکباد

دشت میں قیس کوہ میں فرہاد
دونوں کہتے ہیں مجھ کو یا استاد

بچ چکا جیتا اُس کے ہاتھ سے میں
عشق ہے میرے واسطے جلاد

خاطرِ گل ہے نازک اے بلبل
نہ کر اتنی چمن میں تو فریاد

خاک سے کشتگانِ قامت کے
نخل پیدا جو ہو تو ہو شمشاد

برق خنداں ہے ابر گریاں ہے
کوئی یاں شاد ہے کوئی ناشاد

دیکھ کر حال بید مجنوں کا
آیا صحرا میں ہم کو مجنوں یاد

ہم ہوئے خاک عشق میں تیرے
ہو گئی بلکہ خاک بھی برباد

دے دیا اب تو دل ظفرؔ ہم نے
اِس ستمگر کو ہر چہ بادا باد

ردیف الذال معجمہ

تسلی بخش دل ہے یار کی تصویر کا کاغذ　　مصوّر ہے یہ کاغذ بھی عجب تاثیر کا کاغذ
مجھے اے نامہ بر مضمون وصل یار کی دولت　　یہ ہے نامہ کا کاغذ نسخۂ اکسیر کا کاغذ
دل بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتوں سے　　نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ
مرے خط ہی کو رکھ دیتا ہے اپنے تیر کے مونہہ پر　　بناتا ہے نشانہ جب کبھی وہ تیر کا کاغذ
لکھوں اس مہ جبیں کا میں جو وصف عارض روشن　　تو ہمسر نور میں ہو ماہ پر تنویر کا کاغذ
لکھا میں چاہتا ہوں شکوہ اس کی سرد مہری کا　　مرے نامہ کو قاصد چاہیے کشمیر کا کاغذ
ظفر مضمون چاک سینہ نے تاثیر کی آخر
کیا ہے چاک اس نے عاشق دلگیر کا کاغذ

لکھنے بیٹھا جو نشے میں وہ شرابی کاغذ　　تو کیا بادۂ گلگوں سے گلابی کاغذ
کیا عجب چاک کرے رشک سے حسن خط کی　　سو کتابوں کی ترازوی کتابی کاغذ
اپنے دل سوز کا انگارہ پہ لکھے افسوس　　لے لے وہ منکش سر دکان کبابی کاغذ
نامہ بر تو میرے کاغذ کو چھپا کر لیجا　　مجھ کو ڈر ہے کہ نہ لائے یہ خرابی کاغذ
عشق نے جب سے دیا ہے مجھے دیوانہ خطاب　　کوئی میرا نہیں بے مہر خطابی کاغذ
بن پڑھے اس پہ مرے گریہ کا مضموں کھلا　　نامہ بر ہو مرے نامہ کا جوابی کاغذ
کیا عجب گر اثر شوق سے میرے اوڑ کر
اے ظفر پہونچے کبوتر کا شتابی کاغذ

جبکہ در پردہ کہیں سے لگے آنے کاغذ　　ان کو ناچار پڑے سب سے چھپانے کاغذ
جوش گریہ کا برا ہو کہ ترے نامہ کو　　دیا آنکھوں سے بھی ہم کو نہ لگانے کاغذ
جتنے خط میرے گئے شوخ کماندار کے پاس　　اس نے تیروں کے بنائے وہ نشانے کاغذ
یہ نوشتہ کی ہے خوبی کہ وہاں پہونچایا　　نہ کبوتر نے ہمارا نہ صبا نے کاغذ
آؤں کیا خاک کہ تعویذ عداوت کے عدو　　نیچے چوکھٹ کے لگے روز دبانے کاغذ

اب تلک انجم سے قبا لوحِ ہیں مری روشن — گو کہ افلاک زمیں کے ہیں پرانے کاغذ
شرحِ سوزِ غمِ الفت نے کھلایا یہ گل — لگے گلریز بنا کر وہ جلانے کاغذ
وصف تیرے لبِ لعلیں کا لکھے وہ اے شوخ — اشک خوں سے جسے رنگین ہوں بنانے کاغذ

نہ جگاؤ انھیں سونے دو جو کہنا ہو تمھیں
رکھدو وہ لکھے ظفر اُن کے سرہانے کاغذ

دیگر

پیے دھو کر تری ہیکل کے تعویذ — دیئے پھینک اور سب ملّا کے دل کے تعویذ
گراں ہوں دستِ نازک میں تمہارے — جو برگِ گل سے بھی ہوں ہلکے تعویذ
نہ چمکے شرم سے شب کو ستارے — ترے جھومر میں ایسے جھلکے تعویذ
وہ کرتے ہیں جو ہم سے گرم جوشی — جلاتے ہیں عدو جل جل کے تعویذ
مفید اِس چشم کے بیمار کو ہوں — جو ہوں لکھے ہوئے کاجل کے تعویذ
لڑائی میرے اس کے بھی جو منظور — لکھے دشمن نے دن منگل کے تعویذ

رکھے ہے خواب بندی کے غمِ ہجر
ظفر بستر تلے مخمل کے تعویذ ؟

ردیف الرائے مہملہ

کھلے گا خط کے کھلنے مرا بھید اور بھیدی پر
سیاہی چڑھ گئی اے نامہ بر اب تو سفیدی پر
شتر غمزے کئے چرخِ خمیدہ پشت نے کیا کیا
شتر آسا مرے نالہ نے اُس کی ناک چھیدی پر ؛
اُمیدِ وصل گر ہوتی تو ہم کیا جانے کیا کرتے
فدا کرتے ہیں اپنی جان تک اس ناامیدی پر

کیا ہے کوہ کا یہ حال میرے جوشِ گریہ نے
کہ جیسے ڈال دے پانی کوئی مٹی کی ڈھیری پر

اُٹھا کر آج میری نعشِ دل لے ہی چلا تھا وہ
ظفر کہنے سے اپنے دوستوں کے اس نے دیدی پر

تمہاری گالیاں کھاتا ہوں بوسہ کے لالچ پر!
کہوں گا سچ یقیں ہو یا نہ ہو تم کو مرے سچ پر

مری اک بات سے بھی تم رکتے ہو خدا جانے
لگے ہے آپ کا دل کس طرح اوروں کی پچ پچ پر

کھچا کھچ بھر دیئے ہیں عشق نے دل میں غم و حسرت
نہیں ہوتی ہے نیت سیر دل کی اس کھچا کھچ پر

سفارش لاکھ پر پیچ گر کرے کوئی نہیں سنتا
وہ ظالم جبکہ آجاتا ہے اپنی بات کی پچ پر

کہا سب نے مرے دل کو کہ بچ بچ مار گیسو سے
بچا ہرگز نہ یہ شامت کا مارا اتنی بچ بچ پر

چمن کو یاد کر کر ہم قفس میں اس قدر پھڑکے
کہ بازو لوٹ کر دونوں ہوئے لہو میں لچ پچ پر

ظفر دل کا محل مضبوط ہوتا ہے تو ہمت سے
نہ موقوف اس کا استحکام چونہ پر ہے نہ گچ پر

کیا عجب جس نے کہ مارا دل غمناک میں تیر — تو وہ بنوا کے لگائے وہ مری خاک میں تیر
سرکشی ہے سزا تیری یہی اے گردوں — کہکشاں دیتی ہے ہر شب جو تری ناک میں تیر
ان کو انجم نہ کہو آتے ہیں سو فار نظر — بیٹھے آہوں کے مرے سینۂ افلاک میں تیر
کس کماندار نے کی دشت میں دو اندازی — کوسوں ہر سمت پڑے ہیں خس و خاشاک میں تیر
جو کہ دنیا میں ہیں آلودہ یہ کاوش ہے انھیں — ہے ہر اک رونگٹا گویا تنِ ناپاک میں تیر

دیکھنا جذب محبت کہ نہ نکلا ہر گز   رہ گیا ٹوٹ کے اس کا دل صد چاک میں تیر
عشق کے رستہ میں ہر گام پری سیمے ہے
ہیں برستے ظفر اس راہ خطرناک میں تیر

دیگر

زلف سیہ کی تیری لٹک اے شوخ پری رخسار ہے اور
یہ تو بتلا کچھ اور ہے کافر یہ تو کچھ اسرار ہے اور
سوتے سوتے چونک اُٹھے وہ شب جو میرے نالوں سے
بولے یہ تو نالان کوئی آج پس دیوار ہے اور
آتا ہے جو دیکھنے کو اپنے مریض اُلفت کے !!
دیکھ کے تیری آنکھوں کو ہو جاتا وہ بیمار ہے اور
کبک اوڑا سے لیتا کبھی چال تری اے فتنہ خرام
ٹیک اُڑائی جاتی کب ہے یہ تو کچھ رفتار ہے اور
چشم کا لڑنا سب نے دیکھا جانی کس نے دل کے ڈھنگ
جو کہ اُسے لڑواتا ہے وہ پہلو میں عیار ہے اور
غیر طبیب عشق ہو کس سے تیرے مریض غم کا علاج
اس کی دوا کیا جانے کوئی یہ تو کچھ آزار ہے اور !
عشق ہے شاہنشاہ ظفر تم اُسکی درگہ عالی میں
جاتے ہو تو ادب سے جاؤ وہ تو کچھ دربار ہے اور

دیگر

نہ پوچھو دوستو تم ہم سے حال دل کہیں کیوں کر
کہ یہ تو قصہ کہنے کے نہیں قابل کہیں کیوں کر

الجھتا آ کے ہے سودائیوں سے اس کی زلفوں کے
تجھے اے ناصح نافہم ہم عاقل کہیں کیوں کر

مہ نو جب کہے ابرو کو تیرے دیکھ کر عالم!
تو عارض کو نہ تیرے ہم مہ کامل کہیں کیوں کر

مرے پیغام وہاں لیجا کے قاصد دل میں کہتے ہیں!
کہ کہنا یہاں تو ہے اک حرف بھی مشکل کہیں کیونکر

ترے ہاتھوں سے ہو کر مضطرب کیا کیا تڑپتا ہے
ہم اس دل کو نہ اپنے طائر بسمل کہیں کیوں کر

لب ہر زخم دل جب تک کہ سینہ میں نہ گویا ہو!!
تو جو گذرے دل زخمی پہ اے قاتل کہیں کیوں کر

تغافل ہی میں کر دیتا ہے آخر کام عاشق کا
ظفر ہشیار ہے وہ ہم اُسے غافل کہیں کیونکر

دیگر

نہ رکھ کسی سے طریق تمردی میں بیر　　کہ اے صنم ہے ہمیشہ خدا ندی میں بیر
بنایا دشمن اپنوں اپنا چھیڑ کر میں نے　　کہ اُن کو مجھ سے پڑا ایک گدگدی میں بیر
الٰہی لڑتے ہیں کیوں مدرسے میں طالب علم　　پڑھا لکھوں نے ہو گیا درس مبتدی میں بیر
نہ آبادی مجنوں میں نہ تو لیلے!　　غضب ہے تیری بھی لے ساربان جبی میں بیر

ظفر وہ ہوئے گا ہونا ضرور ہی جس کا
کوئی ہزار کرے امر لا بدی میں بیر

ڈھونڈے کوئی کیا یار کا در چھوڑ کر در اور　　اس گھر کے سوا تو نظر آتا نہیں گھر اور

مطلع ثانی

ہم دیکھتے ہیں اُنکی نظر آج اِدھر اور
معلوم ہوا اُن کو ہے کچھ مدِ نظر اور

مطلع ثالث

جس وقت ہوئے رشکِ نشانِ دیدۂ تر اور
دل اپنا جلا اور بڑھا سوزِ جگر اور

اس منزلِ ہستی میں کوئی آئے عدم سے
کیا چین سے بیٹھے کہ ہے درپیش سفر اور

گل کھولے سمائے نہیں جامہ میں صبا کیونکہ
کچھ اُڑتی ہوئی آئی ہے کانوں میں خبر اور

رسوائے جہاں کیا ہوئے گریہ سے ہم اے دل
ہم کو تو ڈبو دے گا ابھی دیدۂ تر اور

جس دن سے تصور ہے رخ و زلف کا تیرے
اُس دن سے مرا حال ہے شام اور سحر اور

ہر چند کہ تیروں سے مرا سینہ ہے غربال
اس پر بھی کیے جاتا ہوں دل اور جگر اور

کچھ روتے ہو کچھ ہنستے ہو کچھ چپ ہو گئے نالاں
حال آپ کا ہم دیکھتے ہیں دیکھتے ہیں آج ظفر اور

دیگر

ہے محبت اُن بتوں کے دل میں آجاتی کچھ اور
کفر تو یہ ہے پر اسمیں ہے مسلمانی کچھ اور

تیرے جامیں ابر دریچم کا عالم اور ہے
ہیں ستمگر جوہرِ تیغ صفاہانی کچھ اور

خونِ دل ہے بادۂ گلرنگ لختِ دل کباب
حضرتِ غم کا ہے یہ سامانِ مہمانی کچھ اور

کرکے جو اقرار آئے تھے بجا لائے نہ ہم
اس سے بھی لے دل سوا ہو گی پشیمانی کچھ اور

در دنداں اور ہیں گوہرِ عدن کچھ اور ہیں
لعل لب کچھ اور ہیں لعل بدخشانی کچھ اور

دل سے کیا چھوٹے خیالِ زلف ہے شامت کی مار
لکھی ہے اس کی تو قسمت میں پریشانی کچھ اور

یوں تو عالم میں ہزاروں ہیں سخنداں اے ظفر
پر تمہارا ہے یہ اندازِ سخندانی کچھ اور

دیگر

لگ گیا دل تو بتانِ دلربا کی راہ پر — آئے یہ کافر کہو کیونکر خدا کی راہ پر
سر ہتھیلی پر نہ رکھے جب تلک مردِ عشق — رکھ سکے کیونکر قدم اپنا وفا کی راہ پر
دل کے ہر روزن سے تیرا زخمی تیرِ ستم — چشم بر رہ ہے سدا ایک قضا کی راہ پر
عشق لیجائے جدھر کیونکر اُدھر جائیں نہ ہم — چاہیئے پیرو کو چلنا رہنما کی راہ پر
کوچۂ جاناں کی جانے کی نکالی ہے یہ راہ — خاک ہو کر آ پڑے ہیں ہم صبا کی راہ پر
فتنۂ محشر سے فتنے کتنے ہیں وقتِ خرام — ٹھوکریں کھاتے پھریں اس پُر جفا کی راہ پر
چاہتے ہیں کب نشان اپنا وہ مثلِ نقشِ پا — جو کہ مٹنے کو بیٹھے ہیں فنا کی راہ پر
دل سے ہوں کیونکر طریقِ آشنائی میں خلا — آشنا وہ ہے کہ جو ہو آشنا کی راہ پر

ہے صراط المستقیم اس کے لئے جس نے ظفر
استقامت کی ہے تسلیم و رضا کی راہ پر

بڑھے جو عشق کے شعلہ سے اُس کے داغ کا نور — نہ پوچھئے شمع کا نور اس کو نے چراغ کا نور
بڑھے شراب میں گر عکس روئے ساقی کا — فزوں ہو نور سے خورشید کے ایاغ کا نور
کمر کو اس کی شبِ تارِ زلف میں ڈھونڈھے — کہاں ہے عقل میں یہ طاقتِ سراغ کا نور
وہ ماہ باغ میں جس وقت چاندنی دیکھے — تو دیکھے پھر کوئی اس وقت صحنِ باغ کا نور
کرے جو خالِ رخِ یار سے وہ ہمچشمی — تو پھر یقین ہے کہ اُڑ جائے چشمِ زاغ کا نور
بغیر تیرے ہے عاشق کے حق میں نارِ سقر — چراغِ محفلِ یارانِ خوش دماغ کا نور

فروغ بخش ظفر قانعوں کے چہرہ پر
ہمیشہ اُن کے ہے دلہائے بافراغ کا نور

کھلتا نہیں ہے حال کسی پر کہے بغیر — پر دل کی جان لیتے ہیں دلبر کہے بغیر
میں کیوں کہوں تم آؤ کہ دل کی کشش سے وہ — آئیں گے دوڑے آپ مرے گھر کہے بغیر

کیا تاب کیا مجال ہماری کہ بوسہ لیں
لب کو تمہارے لب سے ملا کر کہے بغیر

بیدرد تو سنے نہ سنے لیک درد دل
رہتا نہیں ہے عاشقِ مضطر کہے بغیر

ہم ہیں وہ خاکسار کہ مانند نقش پا
در پر جا دیا ترے بستر کہے بغیر

جو میں کہوں وہ سب کہی جاتی ہے غیر سے
آئے قرار اس کو نہ دم بھر کہے بغیر

صورت ہی میری دیکھ کے سب میرے دل کا حال
معلوم کر گیا وہ ستمگر کہے بغیر

کیا خاکساری اپنی کہوں ان سے جا میاں
وہ ہو رہے ہیں مجھ سے مکدر کہے بغیر

کیا ذکر کچھ کلام میں واعظ کے ہو مزا
محفل میں وصف بادہ و ساغر کہے بغیر

جب دل ہو صاف آئینہ پھر خوب ہو نشست
جو دل میں آئے کہیے نہ منہ پر کہے بغیر

کیا تاب اف زباں سے کہوں تیری بزم میں
کٹتا ہے شمع وار یہیں سر کہے بغیر

تقدیر کے سوا نہیں ملتا کہے سے بھی
دلواتا اے ظفر ہے مقدر کہے بغیر

دیگر

آتا ہے ایسا دشمن وہ یار تیز لیکر
جو سر اڑائیں میرا تلوار تیز لے کر

مجنوں کو فصد کی جو حاجت پڑی جنوں میں
نکلے نہ کیونکہ نشتر ہر خار تیز لے کر

کی دل نے یوں گوارا تیزی تری نگہ کی
بیچارے جیسے بادہ میخوار تیز لے کر

غمزے ہی کی چھری سے ہیں ذبح ہو چکے ہم
تو کیا کریگا خنجر بیکار تیز لے کر

دل کو مرے جلاتے گرمی سی حسن کے ہیں
آتش ہمیشہ تیرے رخسار تیز لے کر

لاتا تو ہے خبر یہ آتا ہے میرا قاصد
سو بار سست لیکر یکبار تیز لے کر

تندی خو جو تیری ہووے علاج دل کا
پھر کھائے کیوں دوا یہ بیمار تیز لیکر

زخم جگر میں میرے کیا بھر رہے ہو مرہم
تم میں رکھو مرچیں دو چار تیز لے کر

خواہاں ظفر ہیں دل کے دلبر کچھ ان دنوں میں
اس جنس کو دکھایا بازار تیز لے کر

دیگر

ہے ابروئے پرخم تری شمشیر کی تصویر
بینی بھی ہے سیدھی تری اک تیر کی تصویر

تصویر سے مجنوں کے مشابہ ہو عجب کیا
وحشت میں ترے عاشق دلگیر کی تصویر

دل اپنا گرفتہ ہوا احوال پریشان
دیکھی جو تری زلف گرہ گیر کی تصویر

گھر ہے محل خلد سے کیا تیرا مشابہ
گویا وہ مکاں ہے اسی تعمیر کی تصویر

خنجر ہو تیرا حلق پہ سینہ میں ترا تیر
یوں چاہیئے کھینچی تری نخچیر کی تصویر

حیراں رہے خود صورت تصویر مصوّر
کھینچے اگر اُس عالم تصویر کی تصویر

قربان ظفر میں قلم شوق کے اپنے !
کھینچے ہے مرے دل پہ مرے پیر کی تصویر

عشق میں کیونکر جئیں ہم اپنا سینہ کوٹ کر
جی میں ہے کھا جائیں ہیرے کا نگینہ کوٹ کر

واہ وا کیا صانع قدرت نے آنکھوں میں تری
بھر دیئے موتی سے لے ماہ شبینہ کوٹ کر

تیغ ہے تیرے ابرو کی نہ کوئی بن سکے
تیغ گر رہ جائیں لوہا بے قرینہ کوٹ کر

ہاتھ ٹوٹیں محتسب تیرے کہ تو نے سنگدل
ریزہ ریزہ کر دیا پتھر سے مینا کوٹ کر

گر کبھی ہو وصل کی یک شب تو ہم اسکے عوض
دل گذاریں چھاتی اپنی اک مہینا کوٹ کر

پارہ پارہ کر دیا سنگ ستم سے ستم [?] !
اے پریرو تو نے دل کا آبگینہ کوٹ کر

ظلم بد جوہر سے کیا نقصان شریفوں کو ملے
کب گھٹا ہے قدر زر لوہا کمینہ کوٹ کر

وہ ہے فروغ محبت سے کو دل کے داغ کا نور
نہ پہنچے شمع کا نور اسکو نے چراغ کا نور

پڑے شراب میں گر عکس روئے ساقی کا
تو آفتاب سے ہمتاب ہوا ایاغ کا نور

نظر لگائے اگر اُس کے خال عارض کو
تو یہ دعا ہے کہ اُڑ جائے چشم زاغ کا نور

خجل چمن میں ہو کیا روشنی صبح بہار
جو دیکھے چہرۂ خوباں رشک باغ کا نور

نظر میں وحشیوں کے جوش ماہتاب ہے آج
عجب طرح کا دامان کوہ و راغ کا نور

وہ ماہ رو ہو تو اُس چاندنی محل سے بھی   زیادہ ہے مرے گوشۂ فراغ کا نور

ظفر سخن کی مرے روشنی بڑھاتے ہے
نگاہ دیدۂ یاران خوش دماغ کا نور

دیگر

جو دل میں رکھے اور کہے منہ سے بیان اور   ہر بات پہ اُس کے ہو مجھے کیوں نہ گمان اور

مطلع ثانی

دن اور ہے رات اور زمیں اور زمان اور   رہتے ہیں از خود رفتہ جہاں ہو وہ جہان اور
یکبار کئے نذر دل و جان تجھے دونوں   اب کیا تجھے دیں ہم کو نہ دل اور نہ جان اور
دے جام پہ گر جام پیالے مجھے ساقی   میں بس نہ کہوں منہ سے کہے جاؤں کہ ہاں اور
جل جائے اے برق نہ ہو دیکھ مقابل   ہے سوختہ جانوں کا دم شعلہ فشاں اور
کچھ چشم تر و سوز جگر ہی نہیں موقوف   افشائے محبت کے بہت سے ہیں نشان اور
کس طرح غم یار کو میں دل سے نکالوں   جائے یہ کہاں اس کا ٹھکانا ہو کہیں اور
کیا ہو ویگا اک چاک کو سینہ کے سیے سے   دل میں تو ہزاروں ہیں ابھی زخم نہاں اور
یہ شوق شہادت کی ہے تاثیر کہ قاتل   ہوتی ہے مرے خون سے تر تیغ رواں اور
دوں دل میں جگہ کیونکہ نہ اس پردہ نشیں کو   اس سے نہیں بہتر کوئی پردہ کا مکاں اور
محفل سے اُٹھا غیر کو اور اُس کی عوض تو   رکھ دے مری چھاتی پہ کوئی سنگ گراں اور
تو گھر کو سدھار اپنے خدا کیلئے ناصح   ہوتا ہے تری باتوں سے ہے مجکو خفقان اور

مینہ خوب برستا ہے جو ہوتی ہے ہوا بند
بہتے ہیں ظفر اشک دم ضبط فغاں اور

ردیف الرائے ہندی

میں نہیں کہتا کہ دل تو نے لیا جان تو چھوڑ / پر خدا کے لیے کافر مرا ایمان تو چھوڑ

مطلع ثانی

بیڑیاں چھوڑ نہ پر زلفِ پریشاں تو چھوڑ / دولتِ حسن پہ تو کوئی نگہباں تو چھوڑ
اس قدر دست درازی نہ کرے دستِ جنوں / چھوڑ ثابت نہ اگر جیب کو داماں تو چھوڑ
کرتے دنیا کا ہو سامان عبث تم اتنا / غافلو جاؤ گے یہاں کا یہیں سامان تو چھوڑ
جنبشِ ابروئے پرخم سے دلِ بسمل پہ / ہاتھ اک کھینچ لے شمشیرِ صفاہاں تو چھوڑ
ہووے اس حور لقا پہ جو پری دیوانی / اور اگر کچھ نہ کرے دے وہ پرستاں تو چھوڑ
تیر ثابت تو نہ چھوڑا کوئی دل میں تو نے / پر جگر میں کوئی ٹوٹا ہوا پیکاں تو چھوڑ
دل کبوتر ہے مرا جال میں زلفوں کے ترے / تو نہ چھوڑ اس کو اگر سمجھے ہے گردان تو چھوڑ
شیوۂ آہ و فغاں مجھ سے یہ چھوٹے کیونکر / روشِ آن و ادا اپنی تو اک آن تو چھوڑ
جب کہا میں نے کہ چھوڑو لگا نہ یہ آج تمہید / لگے کہنے کہ ذرا پردۂ دالان تو چھوڑ

لے گئے ساتھ ظفر سب وہ مرا صبر و قرار
لیکن البتہ گئے حسرت و ارمان تو چھوڑ

ردیف الزائے معجمہ

یوں ہوا دل میں مرے یار کا پیکان عزیز / جس طرح آیا ہو گھر میں کوئی مہمان عزیز
بخدا اے بتِ بدکیش کو ہم کو تجھ سے / نہ تو ہے دین عزیز اور نہ ہمیں ایمان عزیز
عزت اس رو سے کتابی کی کرے کیونکر دل / ہووے کس وجہ مسلمان کو نہ قرآن عزیز
شمع رو جس کے لگے دل کو ترے وصل کی لو / مثلِ پروانہ اسے اپنی نہیں جان عزیز

ناصحا ہاتھ اُٹھا فکر رفو سے کہ ہمیں — دست وحشت سے نہیں اپنا گریباں عزیز
نہ کھلا ہم پہ یہ مضمون کہ عدم میں جاکر — کیوں ہمیں خط نہیں لکھتے کسی عنوان عزیز

اے ظفر ہے وہ ستمگار نہایت سفاک!
دل نہ دے اپنا اُسے دیکھ کہا مان عزیز

دیگر

کس وقت گھورتا ہے تمھیں یہ غلام تیز — کرتے ہو تیز ہو کے جو ایسے کلام تیز
تیزی ہے میکشوں کی طبیعت میں اور بھی — ساقی شراب دے ہے جو اُن کو مدام تیز
لایا جواب خط کا ہے شاید کہ باصواب — قاصد کا کچھ خوشی سے ادھر ہے خرام تیز
کیا جانے کیا ارادہ ہے اُن کا کہ ہر طرف — کاغذ کے دوڑنے لگے گھوڑے مدام تیز
کرتا ہے سنگ سرمہ سے تیغ نگاہ کو — وہ وقت قتل عاشق بے ننگ و نام تیز
کس طرح کوئی ابلق لیل و نہار کو — روکے لگام جائے ہے یہ بد لگام تیز
گرمی ہے کیا ہی یار کے چہرہ میں بیشتر — دیکھا نہ آفتاب کو یوں وقت شام تیز
صیاد ظلم پیشہ نے کچھ آج بے طرح — کی ہے چھری برائے اسیران دام تیز

تیزی طبع کے لیئے مے ہے ظفر مفید!
کر دیتا کند ذہن کو ہے ایک جام تیز!

دیگر

ہے میرے پئے قتل نہ تیغ و دودم تیز — تو دونوں بھویں اپنی بنا دیگی خم تیز

مطلع ثانی

معلوم نہیں نامہ میں ہے کیا رقم تیز — جو نامہ بر آتا ہے اُٹھائے قدم تیز!
سُست آئے کہ تیز آئے مری آنکھ سے آنسو — نے مجکو غم سست ہے اے دل نہ غم تیز

سب حال کہے دمِ مرا بن کہے سب سے — کندی حواس اور یہ ہر لحظہ دم تیز
اس عاشقِ شیدا پہ ستمگر نہ روا رکھ — یہ سستی الطاف اور اتنا ستم تیز
جو دیکھے تجھے یہ کہے واللہ نہ دیکھا — جانا نہ گرم ایسا نہ ایسا صنم تیز

سرکش ہو عدو گر سرِ میدانِ کتابت
ہو خنجرِ تیز اے ظفر اپنا قلم تیز

کر تو خوشی سے حرف و حکایات چند روز — اے یار پھر کہاں کہ یہ ہو بات چند روز
دنیا مثالِ فاحشہ جاتی ہے جس کے پاس — رہتی ہے اس کے پاس یہ بدذات چند روز
تو جانے گرم و سرد زمانہ کو اس لئے — گرمی کبھی ہو اور کبھی برسات چند روز
بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا زاہدوں کی طرح — تو اٹھ کے کر لے سیرِ خرابات چند روز
ہو جلد ہوشیار کہ جاتے ہیں ہاتھ سے — غافل نشاط و عیش کی ہیہات چند روز
کچھ لطف زندگی کا اگر ہے اسی میں ہے — ہے یہ جو دوستوں کی ملاقات چند روز

فرصت بہت ہے کم ہے غنیمت سمجھ ظفر
ہنس بول کر بسر ہو تو اوقات چند روز

کرے ہے کس لئے تلوار تو تیز — نظر کیا کم ہے تیری جنگجو تیز
مرے گر زخم کو دھوتا ہے جراح — تو دھو لے کر شرابِ مشکبو تیز
سرِ چاکِ جگر دستِ جنوں نے — کیے ناخن ہیں پھر بعد از رفو تیز
گلِ خاکِ شہیدِ خنجرِ ناز — رکھے ہے بو برنگِ ناز بو تیز
مزا ہو بیشکر زخمِ جگر میں — بھرے مرچیں اگر وہ تندخو تیز
پیامِ وصل میں ہے یاس و امید — کبھی سست آئے ہے قاصد کبھو تیز

ہزار آتش زباں دشمن ہیں لیکن
ظفر سب پہ ہے وقتِ گفتگو تیز

دیگر

گیا نہ ہجر کا دل سے غم و ملال اک روز
امید وصل میں ہی ہو گیا وصال اک روز

اگر نہ آیا وہ دو چار روز کیا ہوگا
بغیر اُس کے مجھے ہے ہزار سال اک روز

خیال زلف پڑا گر یونہی خیال مرے
تو زندگی مجھے ہو جائے گی وبال اک روز

خرام ناز سے تو رفتہ رفتہ فتنہ خرام
کرے گا ایک زمانے کو پائمال اک روز

چمک چمک کے نہ ہر روز نکلے یوں خورشید
دکھا دے یوں اگر اپنا اسے جمال اک روز

کمال حسن پہ اے مہ جبیں غرور نہ کر
کہ ہر کمال کے ہے واسطے زوال اک روز

گلی میں یار کے کر خوب گریہ و زاری
بخار دل کا ظفر اپنے تو نکال اک روز

دیگر

آج ہے ٹھنڈی ہوا دے تو شراب اک جام تیز
چاہیے ہم کو نشا اے ساقی گلفام تیز

تیری رفتار سے قاصد کی ہمیں کھل گیا
آج لایا ہے وہاں سے کچھ نہ کچھ پیغام تیز

قتل کو میرے نگاہ تیز کافی تھی تری
اے ستمگر تو نے کی کس واسطے صمصام تیز

غیر سے آہستگی میں بات کرنی پیار سے !
اور ہم سے بولنا یوں اے بت خودکام تیز

جوش وحشت میں ترے مجنوں کو پروا نہیں
خار زیر پا ہیں صحرا میں سر ہر گام تیز

گرمی رخسار تیری ہے قیامت زیر زلف
اس قدر ہوتا نہیں خورشید وقت شام تیز

بوسہ مانگو تو طبیعت اُس کی ہو جاتی ہے کُند
اے ظفر ہو جائے ہے دینے کو وہ دشنام تیز

یوں ہے ذقن پہ زلف شکن در شکن دراز
چاہ عمیق کے لئے جیسے رسن دراز

عاشق کو تیرے ہوگا نہ آرام جیتے جی !
جا کر کرے گا پاؤں وہ زیر کفن دراز

ناحق زبان شمع نہ گلگیر کاٹتا !
کرتے نہ وہ زبان جو سر انجمن دراز

بارے کیا وہ تیشۂ آخر نے مختصر　　تھا جو کہ قصۂ عشق کا اے کوہکن دراز
مارے ہے بے زباں دہن زخم لافِ عشق　　یہ تو زباں دراز نہیں ہے دہن دراز
تشبیہ اس کو دوں قدِ موزوں سے کیا ترے　　اے رشکِ گل ہے قامتِ سروِ چمن دراز
جانے نہ دے تو نہ چھیڑ ظفرؔ ذکرِ زلفِ یار
ہو جائے گا زیادہ وگرنہ سخن دراز

ردیف السّین مہملہ

بارش کے تار ہیں مری مژگانِ تر کا عکس　　خورشید چرخ ہے مرے داغ جگر کا عکس
تالاب پر وہ ماہ جو دیکھے ہے چاندنی　　پانی رقص کرتا ہے کیا کیا قمر کا عکس
رخسار تیرا آئینہ ہے جس میں خطِ سبز　　طوطی باغِ حسن کا ہے بال و پر کا عکس
ہر گھر میں آفتاب کے ہے یا کہ جلوہ گر　　جامِ شراب میں ہے رخِ سیمبر کا عکس
کہتے ہیں آپ کو وہ ہنرور زمانہ میں　　جن پر کبھی پڑا ابھی نہیں ہے ہنر کا عکس
سمجھو نہ اس کو عقدِ ثریا فلک پہ ہے　　اس مہ جبیں کے کان کے عقدِ گہر کا عکس
کس کس ادا سے دیکھے ہے منہ سے ملا کے منہ
وہ آئینہ میں اپنا اور اپنے ظفرؔ کا عکس

دیگر

ہر تارِ زلف کھول نہ اے خود پسند بس　　بس ہو چکے ہزاروں اسیرِ کمند بس
جس کو سناؤں دردِ دل آئے نہ اس کو تاب　　سنتے ہی یہ کہے کہ بس اے دردمند بس
برباد خاک ہو چکی اس خاکسار کی　　اے شہسوار روک عنانِ سمند بس
اس روئے آتشیں پہ جو خال آگیا نظر　　دل میرا جل گیا وہ ہیں مثلِ سپند بس
اتنی زباں درازیاں بھی ہے زباں　　بس بس اب آگے کیجیے زباں اپنی بند بس
ڈرتا ہوں جل نہ جائے کہیں خیمۂ فلک　　اے آہِ سوزناک نہ ہو تو بلند بس

رکھ دو پیالہ جتنے کہ پیتے تھے روز مے !
تم آج پی گئے ظفر اُس سے دوچند بس

دیگر

ستاؤ اور تم جو تم کو اس غریب کے بس — یہ خاک ہو تو چکا رشک سے رقیب کے بس
نہ ہو جو وصل نصیبوں میں کیا چلے تدبیر — کسو کا چلتا نہیں آگے کچھ نصیب کے بس
رہے محل میں کبھی اُس کے ہم تو دور رہے — گئے جو غیر مکانوں میں سب قریب کے بس
خدا پہ چھوڑ دو بیمار عشق کو اپنے — علاج دیکھ چکے تم ہر اک طبیب کے بس
نہ مشک میں تھی یہ خوشبو نہ آگے عنبر میں — گئے ہیں طرۂ مشکیں سے اُس عبیب کے بسر
ذرا بھی پائی نہ گرمی گلوں کی لیں صبا — یہی تھی نالۂ پرسوز عندلیب کے بس

کہے ہے عشق ظفر عقل کا دماں کہا
تمام ہو چکے آداب اس ادیب کے بس

جمع کر سکتے نہیں صاحب تدبیر حواس — منتشر کرتی ہے جب گردش تقدیر حواس
کھو اس رعد فرشتے سے نہ غرا اتنا — تیرے کھو دیگا مرا نالۂ شبگیر حواس
لائے زنداں میں جب اُس زلف کے سودائی کو — اور بھی اُس کے گئے دیکھ کے زنجیر حواس
سمجھے بیجا وہ بجا خاک کہ پیری کے سبب — رہے تیرے نہ بجا اے فلک پیر حواس
دل کی ہی دل میں رہی منہ سے نہ کچھ نکلی کہی — گم ہوئے سامنے اُس کے دم تقریر حواس
تیغ ابرو نے ہمیں سینہ سپر کیا ورنہ ! — اچھے اچھوں کے اُڑا دیتی ہے شمشیر حواس

نہیں معلوم ظفر یاد ہے اُس کو کیا پیچ !
کہ بُھلا دیتی ہے وہ زلف گرہ گیر حواس

قفس

بعد آزادی کبھی دے ہے رنج تاثیر قفس — ہوش اُڑ جاتے ہیں گر دیکھوں ہوں تصویر قفس
ہم چمن میں کر رہے ہیں آشیاں اپنا درست — کرتا ہے صیاد فکر دام و تدبیر قفس
سیکڑوں دل جانیں ترے ہاتھوں سے اے صیاد — لوں گرفتاری میں ہیں جیسے عصافیر قفس

یاد شاخِ گل دلا کر دل کو کرتی ہے فگار ہے بجا چوبِ قفس کو گر کہوں تیرِ قفس
جبکہ بلبل کو دیا منصب ہزاری عشق نے کی مقرر اس کی خاطر ہے یہ جاگیرِ قفس
مجھ کو صیادِ جفا پیشہ نے ڈالا قید میں نے تصورِ دام ہے اس میں نہ تقصیرِ قفس
شاخِ گل میں چاہیے لٹکانا اس کا اے ظفر
بڑھتی اس لٹکنے سے ہے بلبل کی توقیرِ قفس

باب الشین معجمہ

اشکوں سے مرے رہتی ہے دن رات کی بارش برسوں سے یہاں ہو رہی برسات کی بارش
آتے ہیں خیال اتنے محبت میں تمہارے رکھتی ہے مرے دل پہ خیالات کی بارش
رونے نے مرے یار کو یاں آنے سے رکھا مانع ہوئی افسوس ملاقات کی بارش
اب اس کے عوض گالیوں کی رہتی ہے بوچھاڑ تھی آگے جو الطاف و عنایات کی بارش
ہے ابروِ مژگاں سے ترے دل پہ ہمارے تیروں کی سی کثرت سے اشارات کی بارش
مینہ برسے اگر شیخ میں کچھ بھی ہو کرامت ہوتی نہیں باتوں سے کرامات کی بارش
کیچڑ ہو کہ پانی وہیں پہنچیں گے ظفر ہم
کب روکتی ہے راہِ خرابات کی بارش

دیگر

یہ خبر لی مری اس بیخبری کو شاباش مر گیا میں تری بیدادگری کو شاباش
نامہ بر لے کے جو آیا مرے خط کا جواب آفریں تجھ کو ترے نامہ بری کو شاباش
خوب اس زلف کے سودے میں لڑا تو الجھا مجھ کو اور اس تری آشفتہ سری کو شاباش
کیا پرواز کی تکلیف سے آزاد مجھے کہوں کس طرح نہ بے بال و پری کو شاباش
نظرِ مہر سے اس مہر لقا نے دیکھا تجھ کو تاثیرِ آہِ سحری کو شاباش
عیب جو لوگ ہیں ہیں جو اہلِ ہنر اُن سے تجھے محفوظ رکھا بے ہنری کو شاباش

دل سے جاتا ہی نہیں تیرے ظفر اس کا خیال
خوب شیشہ میں اُتارا ہے پری کو شاباش

دیگر

کیا ابر نو بہار سحر ساقی نسیم خوش
رکھی ہے دیکھ دوش پر اپنے گلیم خوش

خوش آئی بوئے مشک کسی جیب باغ سے
اس زلف عنبریں کے بھری ہو شمیم خوش

ان تیرے سرخوشوں کے لئے کوئی میفروش
آب ہوائے خوش سحر ہو ساقی نعیم خوش

تیرے مریض عشق کو مرنے کی ہے خوشی
دیکھا سوائے اسکے نہ کوئی سقیم خوش

گر ہو پسند اے مہ پردہ نشین تجھے
ہے چشم منتظر مری خوش دل حریم خوش

بیت الحزن میں یاد ترے غمزدوں کی پا
ہر داغ ہمنشین خوش ہو غم ندیم خوش

جو ہے یہاں مسافر ناخوش ہے اے ظفر!
پایا نہ اس سرا میں کوئی بھی مقیم خوش

تم کو بے بوسہ دل اپنا دوں چہ خوش
تم ہوش میں واہ ناخوش ہوں چہ خوش

میں خوشامد کبھی اگر اُس کی کروں
ہو کے وہ ناخوش پھر ہے لوں چہ خوش

ہے وہ جانان دشمن جانی مرا
دوست اپنا اُس کو میں جانوں چہ خوش

تو ہے خوش خوش وہاں غیروں میں
کھاؤں نہیں یہاں شک سے افیون چہ خوش

اُٹھ گیا جو پاس کر کے غیر کا
اُس کو پھر میں پاس بٹھلاؤں چہ خوش

وادی وحشت میں میری طرح سے
خاک اُڑائے تو کبھی اے مجنوں چہ خوش

وہ خطا وار دل میں کھڑائیں مجھے
اُنکو میں خط لکھ کے بھیجوں چہ خوش

ہوں وہ مثل زلف برہم اور میں
اُن کی زلفوں کی بلائیں لوں چہ خوش

اے ظفر دامن سے اُس سفاک کے
کوئی دھو ڈالے ہمارا خون چہ خوش

جیسے نکالی تو نے ہے اے ہمنشیں تراش !!
لاکھوں حسین میں ایک کی ایسی نہیں تراش

کرتی ہے اس کی ساعد نازک سے ہمسری
پھینکوں چمن سے شاخ گل یاسمیں تراش

دل کو تراشتا کا وشِ مژگان نے اُسکے یوں
جیسے تراشتا ہے نگیں کو نگیں تراش !

ڈرتے کو اہل زمیں کے فلک سے جھکے ہلال !
جس جائے پھینکے ناخن یا مہ جبیں تراش

یک قطرہ خوں نہیں غم و اندوہ کے سوا
باور اگر نہیں دل اندوہگیں تراش

سر دہ کوئی سمجھ کے دل سرد کو مرے !
ڈر ہے کہ وہ چھری سے نہ ڈالے کہیں تراش

منظور ہے ظفر کو لکھے وصف چشم یار
نرگس سی دے قلم کوئی اے ہمنشیں تراش

دیگر

ترے وہ نام خدا ہے صنم سنگ تراش | بہت تراشی بکریں دیکھ کے اسے سنگ تراش
باغباں بیکھتا انگشت یہ فندق جو تری | ڈالتا رشک سے شاخ گل او رنگ تراش
جنگجویوں کو جو ہوتی ہے لڑائی منظور | دل سے مضمون کوئی لیتے ہیں پئے جنگ تراش
دست نازک کو نکر رنجشِ دہر لا شمشیر | رکھدے سر آپ ہی تا عاشق بے ننگ تراش
تیغ سے موج تبسم کے مرا غنچہ دہن | باغ ڈالے میں جگر غنچۂ دل تنگ تراش
اس کے خاتم کے لئے پارۂ دل سے میرے | اے نگیں ساز نگیں لعل کا خوش رنگ تراش

یہ تو ہیں برسانے والے دیدہ نمناک خاص
خاکساروں میں تم اپنے خاص کہتے ہو ہمیں !
اور ملتے ہیں سو اہم خاک میں ہیں خاک خاص

یوں تو قتل عام کرتے ہیں وہ سب ناز و ادا
پر ظفر اس کام کا ہے غمزۂ سفاک خاص

سمجھتا ہے جسے یاروں میں تو خاص | تری ہوتی ہے اس سے گفتگو خاص
حسیں تو اور بھی ہیں خاصے خاصے | مگر سب میں ہے تو لے ماہرو خاص
مرے چاک جگر کے واسطے ہے | ترا تار نفس تار رفو خاص
جلاتا عاشق شیدا کو ناحق | یہ ہے تیری ہی خوائے شعلہ خو خاص
کرم ہے عام تیرا پر تجھی پر ! | ستم کرتا ہے تو اے جنگجو خاص
گلی میں تیرے جائیں دوست کیونکر | کہ وہ تو ہو گئی جا اے عدو خاص
یہی ہے آب خاصہ عاشقوں کا

خوشنویس ایسا ہو تو دیکھ کے ہوتے ہیں خجل
تیرے خامہ کے ظفر صاحب فن ہنگ تراش

دیگر

نہو کیوں تجھے بزم عشرت میں گردش
کہ جنوں ساغر ہے ہر قسمت میں گردش

بھنور کی طرح رکھتی ہے آشنائی
مرے ساتھ بحر محبت میں گردش

وہ کب ٹھہرتے ہیں زمیں پر کہ جنکے
فلک کی طرح ہے طبیعت میں گردش

جلا شمع کے گرد پروانہ پھر کر
ہوئی رہنما سوز الفت میں گردش

بگولے کے مانند مجھ کو ہمیشہ!
لئے پھرتی ہے دشت وحشت میں گردش

پھرا مہر زردار ہو کر جہاں میں
رہے اہل دولت کو دولت میں گردش

ظفر ہم جو رہتے ہیں آوارگی میں
نصیبوں کی ہے یہ حقیقت میں گردش

ردیف الصاد مہملہ

میرے غمخواروں میں ہے میرا دل غمناک خاص
کیوں نہ غم کھائے کہ ہے اس کی یہی خوراک خاص

اور بھی یوں تو ہزاروں ہیں شکار ہائے شہسوار
پر یہ میرا صید دل ہے قابل فتراک خاص

وہ سمند ناز کو کرتا ہے کیا کیا گرم خیز
ہے اسی کے واسطے یہ توسن چالاک خاص

قاصدان اشک جو رہتے رواں ہیں رات دن
واسطے دل کی خبر لانے کے ہے یہ ڈاک خاص

ابر نیساں سے برستے کب ہیں لعل لخت دل!

دیگر

لگ گیا کاری جگر پر جس کے زخم تیر حرص
دم رہا جب تک رہا بیتاب وہ نخچیر حرص

حرص کے ہاتھوں نہ کیونکر کشمکش میں ہوں حریص
حرص دامنگیر اُن کی وہ ہیں دامنگیر حرص

سیکڑوں قصر و محل بنجائیں گے اور بن گئے!
پر نہیں ہونے کی پوری منعموں تعمیر حرص

رکھیں میدان توکل میں قدم کیا وہ حریص
جو کہ ہیں روز ازل سے پائے در زنجیر حرص

مال کے بھوکے ہیں لیکن مال قسمت میں کہاں
اہل دنیا کھاتے ہیں تیر ہوس شمشیر [illegible] حرص

اور اُس نگاہ چشم کی وحشت علی الخصوص

سب اُن کے ناپسند مضامین دوستی!
اور اُس میں دشمنوں کی شکایت علی الخصوص

جتنے کہ شیوہ خوب تھے دنیا سے اُٹھ گئے
اور اے ظفر طریق مروت علی الخصوص

ردیف الضاد معجمہ

رکھتا نہیں جو ہم سے جو وہ بیوفا غرض — تو ہم بھی بےغرض ہیں ہمیں اُس سے کیا غرض
ہم اُن کے ملتجی ہوں نہ کیوں وصل کے لئے — دنیا میں کب نکلتی ہے بے التجا غرض
مطلب نہ ظلم سے ہے نہ تیرے ستم سے کام — ہم کو وفا سے اپنی ہے نے پر جفا غرض
کام اپنا ہو گیا نگہ یار سے تمام! — اب تجھ سے کیا رہی ہے ہمیں اقتضا غرض
ناحق بناؤں اپنے لئے اور مدعی — کیوں جاؤں میں وہاں میں مجھے کچھ مدعا غرض
کوئی بُرا کہے ہمیں یا عشق میں بھلا — ہم کو بُرے بھلے سے نہیں ناصحا غرض
ہم اس چمن میں غنچۂ تصویر ہیں ہمیں — مطلب نسیم سے ہے نہ تجھ سے صبا غرض
دل جانتا ہے جیسے یہ کافر ہیں سنگدل — ڈالے نہ ان بتوں سے کسی کی خدا غرض

کیا حال آشناؤں کا تجھ سے ظفر کہوں!
ہیں آشنا غرض کے یہ ناآشنا غرض

دیگر

ساقیا پہونچے ہے تیرے جام سے عالم کو فیض
منہ نہیں ہم کو لگاتا اک نہیں ہے ہم کو فیض

ہوں نہ صاحب دل کبھی محتاج فیض جام جم
بلکہ اللہ کے ساغر دل سے ہو جام جم کو فیض

رکھتی ہے جاری ہمیشہ آنسوں سے فیض نہر
دیکھنا منظور ہے کیا میری چشم نم کو فیض

عشق میں ہے بس غنیمت ہم کو غم اور غم کو ہم
پہونچتا ہے غم سے ہم کو فیض ہم سے غم کو فیض

ہو تو شاید کچھ تمہارے ہی لب جان بخش سے
ورنہ ہو عیسیٰ سے کیا اس عاشق بیدم کو فیض

عمر بھر کھایا کیے تم حضرتِ دل پیچ و تاب
کیا اُٹھایا چھیڑ کر اُس کاکل پر خم کو فیض

ہے نفخت فیہ من روحی سے اے ظفر
جو کہ پہونچا خالق کونین سے آدم کو فیض

دیگر

تیرے دیوانہ کو کیا کانٹے بچانے سے غرض سینہ کوبی سے غرض شور مچانے سے غرض

مطلع ثانی

سوزشِ دل کے بجھانے سے نہیں ہم کو غرض بلکہ رونے سے غرض آنسو بہانے سے غرض
خط لکھیں کیونکر انھیں نصف ملاقات ہے خط ہے ہمیں شوق ملاقات جتانے سے غرض
پر کدورت ہو کہ ہے صاف تیرا دل لیکن ہم کو کوچے میں ترے خاک اُڑانے سے غرض
اپنے گھر آج مرے گھر سے ہے جانا منظور ورنہ کیا غسل کی ہے اُن کو نہانے سے غرض
میری باتوں میں اگر بوئے نہ ہو الفت کی تو پھر اس شوخ کو کیا ناک چڑھانے سے غرض
کچھ ہو ایسا کہ قرار آئے دلِ مضطر کو نہ غرض خط سے نہ قاصد کے ہے آنے سے غرض
دل ہوا سینہ میں نشانہ کہ جگر تجھ کو کیا اے کماندار تجھے تیر لگانے سے غرض
دے کے دل اپنا اُسے ایسے ہوئے بے پروا

ہم نہیں رکھتے ظفر ایک زمانہ سے غرض

ردیف الطائے مہملہ

کس کس کے نام آئے ہیں اُس عشوہ گر کے خط
ہیں آج دونوں ہاتھوں میں جو نامہ بر کے خط

مطلع ثانی

دلوا دے یاد کوئی اُنھیں یاد کر کے خط
تکیہ تلے وہ بھول گئے میرا دھر کے خط

تاباں ہیں نور عشق سے مثل خطوط مہر
ہیں گرد جو نقطوں سے داغ جگر کے خط

کرتا ہے کہکشاں کو شب تار میں خجل
اُس مہ جبیں کے مانگ کا بالوں میں سر کے خط

سو ٹکڑے دل کے ہو گئے پر جسم زخم میں
ظاہر پڑا نہ وار سے تیغ نظر کے خط

حال اپنا لکھ کے آئے جو رونا کبھی مجھے
بہ جائے خوش گریہ سے اُس چشم تر کے خط

تاثیر کچھ تو کی ہے مرے درد و آہ نے
آیا نکل جو رخ پہ ہے اُس سیمبر کے خط

ہے یہ خطر کہ ٹکڑے نہ قاصد کے دے اڑا
پھیکا بلا سے قینچی سے اُس نے کتر کے خط

ہوں لاکھ خوشنویس اگر خط نسخ میں
پر ہو سکیگا خوب نہ خط سے ظفر کے خط

دیگر

جب لکھا کوئی اُسے عذر میں تقصیر کے خط
اس خطا وار کا پھینک اُس نے دیا چیر کے خط

خط کے پہونچانے کی قاصد سے نہیں ہے اُمید
بھیجے ہم تو بھروسے پہ ہیں تقدیر کے خط

اللہ اللہ ری نزاکت کہ رخ نازک پر
پڑتے بالوں سے ہیں اُس زلف گرہ گیر کے خط

دسترس ہاتھ تک اُس کے جو نہیں قاصد کو
رکھ تو دے سامنے وہ اُس بت بے پیر کے خط

سرد مہری کے جتانے کا یہی ہے عنوان
اُس نے لکھا مجھے کاغذ پہ جو کشمیر کے خط

جس نے تصویر یہ دیکھا نہ کبھی ہو ہالہ
دیکھے چہرہ یہ وہ اُس عالم تصویر کے خط

جس کا خط آپ کبوتر اثر شوق سے ہو
باندھے بازو پہ وہ کیوں مرغ ہوا گیر کے خط

ہے سپر اُس کی حفاظت تو بدن پر تیرے
نہ پڑے ایک بھی سو وار سے شمشیر کے خط

شوق پابوس کہ دیکھا جو ظفر ہر خط میں
اُس نے تلووں سے ملے عاشق دلگیر کے خط

دیگر

زر ہے کیا سیمبروں کی ہے ملاقات کو شرط
بلکہ نقد دل و جان بھی ہے مدارات کو شرط

رکھتے ہر وقت ہیں حق لطف و کرم کا شیوہ
ہوتا اک وقت نہیں اُن کی عنایات کو شرط

کچھ تپش دل میں ہو تو چشم سے برسیں آنسو
یعنے ہاں تھوڑی سی گرمی بھی ہے برسات کو شرط

نعمت خلد ہے موقوف کرم پر اُس کے
ترک کرنا نہیں دنیا کی ہے لذات کو شرط

نہیں ہے وقت کوئی امر کہ از بہر نماز
ضبط اوقات ہے مردان خوش اوقات کو شرط

سر کا رکھنا نہیں آسان تہ شمشیر ستم
اے ستمگار ہے اک حوصلہ اس بات کو شرط

جائے دل زلف میں بے داغ محبت کیونکر
کہ چراغ از پئے رہرو ہے ظفر رات کو شرط

دیگر

اُن کی ظاہر آشنائی ہے فقط !
ورنہ پنہاں بیوفائی ہے فقط

کیوں لڑائی آنکھ اُس نے غیر سے
میرے اُس کے یہ لڑائی ہے فقط

دل کو سودا ہے جو عشق ہر زلف پر
اس میں کیا ہے کج ادائی ہے فقط

ہم کو کافی منزل مقصود تک
عشق ہی کی رہنمائی ہے فقط

جان تک دیگا جلا یہ سوز عشق
آگ ابھی دل میں لگائی ہے فقط

گر سخن میں عشق کی گرمی نہیں !

اے ظفر ہرزہ درائی ہے فقط !

کیا لکھوں قاصد اُسے اشکوں کی طغیانی میں خط
حرف مٹ جائیں گے سارے بھیگ کر پانی میں خط

ہو لکھا تقدیر کا معلوم کس عنواں ہمیں
وہ پڑھا جاتا نہیں ہے جو کہ پیشانی میں خط

قتل کرنے کو ہمارے کم نہیں شمشیر سے
ہمدموں سرمہ کا چشم دلبر جانی میں خط

کیا تیا کی ہے بُرا تو سے کام مجنوں کو کہ ہیں
ناخن دست جنوں سے تن پہ عریانی میں خط

ہم ترے روے کتابی کو ہیں مصحف جانتے
ملتا ہے عارض کا تیرے خط قرآنی میں خط !

بندھ گیا ہے جب سے اُس زلف پریشاں کا خیال

صفحۂ عالم پہ ہیں جتنے سخنداں اے ظفر
لکھتے ہیں تیری غلامی کا سخندانی میں خط

ردیف الظائے معجمہ

ہم تو چلتے ہیں لو خدا حافظ
بتکدہ کا بتو خدا حافظ

کر چکے تم نصیحتیں ہم کو
جاؤ بس ناصحو خدا حافظ

آج کچھ اور طرح پر اُن کی
سنتے ہیں گفتگو خدا حافظ

گر یہی ہیں ہمیشہ زخم پہ زخم
دل کا چارہ گرو خدا حافظ

کیوں نہ رخصت ہو دم مرا جب تم
دم رخصت کہو خدا حافظ

آج ہے کچھ زیادہ بیتابی دلِ بیتاب کو خدا حافظ
کیوں حفاظت ہم اور کی ڈھونڈھیں ہر نفس جب کہ ہو خدا حافظ

چاہیے رخصت جو راہ عشق میں عقل
اے ظفر جانے دو خدا حافظ

ردیف العین

صنم کو میں نے دیکھا خواب میں جاگے مرے طالع
تماشا اک خدائی کا نظر آیا زہے طالع!

نصیب اُس مہروش کا وصل ہے ان کو کہ ہیں جنکو
بھلے دن اور بھلی قسمت بھلے بخت اور بھلے طالع

مرے گھر آتے آتے رات کو وہ پھر گئے اُلٹے
کچھ ایسے یک بیک برگشتہ میرے ہو گئے طالع

نکل بھاگے گا ہوتے گا اگرچہ سات تالوں میں
پریزاد ایسے ہیں گردش میں اس دیوانہ کے طالع

لگایا منہ سے اپنے جام مے اے ماہرو تو نے
تماشا ہے کہ یکجا مہر و مہ دونوں ہوئے طالع

خدا لایا لب بام اُس بتِ خورشید طلعت کو!
دگرنہ میرے تو یار و بلند ایسے نہ تھے طالع

بھلائی کئے عوض وہ جو برائی ہم سے کرتے ہیں
قصور ان کا ظفر کیا ہے کہ ہیں اپنے بُرے طالع

دیگر

کلفت اس طرح سے دنیا کی ہو غیرت سرا میں رفع
جوں غبار آندھی کا ہو جائے ہے برسات میں رفع

وہ لبوں میں ترے اعجازِ مسیحائی ہے!
کہ صد آزار اگر ہوں تو ہوں اک بات میں رفع

جام مے تک نہیں پہنچے ابھی نوبت کہ ہوئی
رنج میخوار کی ساقی کی ملاقات میں رفع

کیوں لگاتا نہیں تو کھینچ کے قاتل شمشیر
قصہ یک عمر کا تا ہو ابھی اک ہات میں رفع

واعظا فائدہ کیا مدرسہ میں بک بک سے
شبہ جو دل کا ہے ہوگا وہ خرابات میں رفع

وہ رہیں آ کے اگر شب کو ہمارے گھر میں!
اگلے پچھلے گلے سب اُن سے ہوں اک رات میں رفع

مدد اے فخرِ جہاں تا ہوں ظفر کے دل کی
سب ملال آپ کے الطاف و عنایات میں رفع

نہ آبرو کی طمع ہے نہ گھر نہ در کی طمع — جو بدمعاش ہیں اُن کو ہے مال و زر کی طمع

مطلع ثانی

نہیں ہے ہم کو سوا وصلِ سیمبر کی طمع — فقط ہے عین عنایت سے اک نظر کی طمع
رواں ہو یہ جو اگر بیکلی دل کا قاصد اشک — نہ کچھ ہو نامہ کی حاجت نہ نامہ بر کی طمع
طمع کا چھوڑنا آساں نہیں کہ زیرِ زمیں — بشر کے ساتھ ہی جائے ہے یہ بشر کی طمع

تصور لب و دنداں یار کی دولت — نہ ہم کو لعل کی خواہش نہ ہے گہر کی طمع
مگس کی طرح سے پیسے گا منہ کو اے طماع — نہ کر حلاوت دنیا سے تو شکر کی طمع
اُٹھا چکا ترا عاشق ہے دو جہاں سے ہاتھ — نہ اب اُدھر کا ہے لالچ نہ ہے اِدھر کی طمع
وہ تیرے محو دہان و کمر کا پوچھے حال — جو رفتگان عدم سے رکھے خبر کی طمع
شکست دیجیے کسی طرح نفس سرکش کو
نہیں ہے اس کے سوا اور کچھ ظفر کی طمع

دیگر

ہو گیا دل صنم ہوش رُبا کے تابع — کیا کریں ہم کہ ہیں مرضی خدا کے تابع
کوئی جاناں کی ہوا سے نہیں جائیگا خلاف — دل پُرسوز کہ ہے شعلہ ہوا کے تابع
ہم تو مرنے کو ہیں موجود اگر آئے قضا — پر قضا اپنی ہے اُس تیغ ادا کے تابع
خواہ آزاد کرے خواہ گرفتار رکھے — دل سودا زدہ ہے زلف دوتا کے تابع
دیکھیے رخصت نظارہ ادھر ہو کہ نہ ہو — نگۂ یار تو ہے شرم و حیا کے تابع
میں رہ عشق میں ہوں کیوں نہ جنوں کا محکوم — راہ رو چاہیئے ہو راہ نما کے تابع
کوئی آتی ہے ظفر لب پہ شکایت اُنکے !
جو کہ ہر حال میں ہیں اُس کی رضا کے تابع

دیگر

جگر کے داغ سے ہے جو مرے کنار میں شمع
یہ کام آئے گی تاریکی مزار میں شمع

مطلع ثانی

جو سوز آہ ہو دلہائے داغدار میں شمع — تو جانیئے کہ ہے بیکار شعلہ زار میں شمع

جلے ہیں آتشِ رشکِ عدم سے ہم ہر شب
بنایا عشق نے کیا ہم کو بزمِ یار میں شمع

مقابل اس رخِ روشن سے ہو قمر کیا بات
کہو تو کہہ دے زباں سحر یہ شب ہزار میں شمع

عجب نہیں یہ اگر میرے صرصرِ نالہ
بجھا دے مہر کی اس نیلگوں حصار میں شمع

وہ روئے رات کو یہ رات دن رہے گریاں
سمائے کیونکہ مری چشمِ اشکبار میں شمع

جو آہ میری نہ ہو شعلہ ور تو کون مجھے
دکھائے شب کو محبت کی رہگذار میں شمع

وہ زیبِ بزم جو آتا نہیں شبِ وعدہ
تو رات کاٹے ہے سولی پہ انتظار میں شمع

جلائے کون ظفر کوہکن کی تربت پر!
سوائے سوزِ محبت کے کوہسار میں شمع

ردیف الغین معجمہ

ہم کو نہیں رہی ہوسِ گل ہوائے باغ
گل اشک خوں ہیں تختۂ دامن بجائے باغ

دل اس قدر ہے بند غمِ ہجر میں کہ ہے
زنداں سے تنگ تر مرے حق میں فضائے باغ

دو پھول بھی مزار پہ ان کے نہیں فلک
لے کر زمیں جنھوں نے ہزاروں بنائے باغ

تا باغ ہم نہ پہنچے قفس ہی میں مر گئے
کہہ کہہ کے ہائے ہائے چمن ہائے ہائے باغ

منظور سیرِ باغ اگر ہو تو اب مجھے!
داغوں سے اپنے سینہ کے عاشق دکھائے باغ

بھر جام ساقیا کہیں جلدی کہ پھر کہاں!
یہ گل یہ سبزہ اور یہ ٹھنڈی ہوائے باغ!

وہ رشکِ باغ پاس نہیں اپنے اے ظفر
کیا گل خوش آئے اور ہمیں کیا خوش آئے باغ

تونے جسے کہہ دیا اے بتِ پرفن دروغ
بات اگر سچ بھی تھی وہ تو گئی بن دروغ

دل کو یہ ڈس لیتی ہے جانتا ہوں خوب اسے
میں نہیں کہتا تری زلف کو ناگن دروغ

دوست جو سمجھے وہ ہیں ایک بناوٹ کریں
باتیں بنائے ہزار آن کے دشمن دروغ

ہو گئے محبت میں تم ہم سے نہ سچے کبھی
دیتی ہے ہم کو جتا آپ کی چتون دروغ

گل کو ہے نسبت کہاں اس ترے رخسار سے
بولتے شاعر ہیں اے غیرتِ گلشن دروغ

لکھے کو تقدیر کے جانتے ہیں ہم تو سچ
پوتھی میں جو ہے ترے ہے وہ برہمن دروغ

دردِ دل اپنا نہ کہہ تو ناصحِ بیدرد سے
جانتا ہے اے ظفر اس کو یہ کودن دروغ

گیا جو ڈھونڈنے خط لیکے اُس کے گھر کا سراغ
ہوا جہاں سے گم میرے نامہ بر کا سراغ

وہ گم ہو آپ بھی عنقا کی طرح جو ڈھونڈھے
ترے دہن کا نشان اور تری کمر کا سراغ

سرشک دیدہ میں خون ہو کے یہ گئے ایسے
ملا نہ سینے میں میرے دل و جگر کا سراغ

عدو کے گھر میں جو کچھ آئی روشنی سی نظر
تو پایا ہم نے شب اُس غیرتِ قمر کا سراغ

زمیں سے تا بفلک ڈھونڈتے پھرے لیکن
نہ پایا آہ نے میرے کہیں اثر کا سراغ

جو راہ گم شدگی میں ہو ہم سفر میرا
تو مثل عمر گزشتہ ہو گم خضر کا سراغ

گیا جو کشورِ ہستی سے سوئے ملک عدم

ظفر کسی نے نہ پایا پھر اُس بشر کا سراغ

دیگر

عشق سفاک اگر کھینچ لے میدان میں تیغ
آئے رستم کے بھی مردوں کے نہ پھر ہاتھوں میں تیغ

ساقیا دے سپرِ جام مئے ناب شتاب
کھینچے ہے موجِ ہوا مجھ پہ گلستاں میں تیغ

جیسے برندہ ہے قاتل تری تیغِ ابرو
نہ خراساں میں ہے ایسی نہ صفاہاں میں تیغ

نگہ قہر تری تیز ہو جب دم قاتل
ایک عالم کو کرے قتل یہ اک آن میں تیغ

دونوں مائل ہیں اس ابرو پہ خدا خیر کرے
مجھے ڈر ہے کہ نہ چل جائے دل و جاں میں تیغ

چشم کافر ہے تری رہزن ایمان ظالم
اور غمزہ ہے کف رہزن ایماں میں تیغ

ظفر آساں نہیں قابو میں زباں کا رکھنا !
آتی مشکل سے ہے یہ قبضۂ انساں میں تیغ

دیگر

چل کر جو پھر یہ رکتی نہیں ایک آن تیغ
گویا ہے تیری تیغ زبان نے میان تیغ

دم عشق کا بھرے کبھی ہرگز نہ بلہوس
کھینچے اگر وہ اپنی پئے امتحان تیغ

اوسان اپنے اڑتے ہیں ہر آج کیا سبب
تم سان پہ لگاتے ہو اے مہربان تیغ

ہمسر نہ تیری ابرو پہ خم سے نہ بن سکے
گرچہ بنائے تیغ گرِ اصفہان تیغ

یہ ماہ تو نہیں ترے دورے میں مہ جبیں
چمکا رہا ہے سر پہ مرے آسمان تیغ

میری نگاہ ہے وہ غضب دیکھ کر جسے
خنجر تو الحفیظ کہے الاماں تیغ

لکھ بحر و قافیہ کو بدل کر ظفر غزل
تیزی میں تیرے ہے قلم دو زبان تیغ

ادگل کے کرتی ہے دو ٹکڑے دل کے صاف ہے تیغ

تیری نگاہ کوئی قہر خوش غلاف ہے تیغ !

سوال بوسۂ ابرو کیا ہے کب میں نے !!
جو مجھ پہ کھینچتا وہ ہو کے برخلاف ہے تیغ

ہمیشہ سینہ بسینہ ہیں ہم کبھی سینہ سپر
اگرچہ سیلی وہ سینہ سے تابناف ہے تیغ

الٰہی سرمہ و نالہ داد سے کس پر ؟
یہ اُس کے چشم نے کھینچی پئے مصاف ہے تیغ

وہ جبیں دیکھ کے ابرو یہ لانہیں سکتے
زباں پہ جوہر خوبی کے اپنے ہے تیغ !

ہر ایک غنچۂ گل کے لئے گلستاں میں
یہ تیری موجِ تبسم جگر شگاف ہے تیغ

ظفر ہو قدر سپاہی کی اس زمانے میں کیا
ہر ایک باندھتا نداف و نوربافت ہے تیغ

آج زینب نوحہ گر ہی وا دریغا وا دریغ
بیٹھی سر ننگے سر ہے وا دریغا وا دریغ

گھر لٹا خیمہ جلا بیٹھے کہاں جائے کدھر
اب نہ گھر ہے اور نہ در ہے وا دریغا وا دریغ

نور چشم ساقیِ کوثر ہے پیاسا دشت میں
خشک لب ہی چشم تر ہے وا دریغا وا دریغ

رہتا تھا جو سر کنار مصطفےٰ میں روز و شب
آج وہ سر نیزہ پر ہے وا دریغا وا دریغ

شہ نے صغرا سے کہا یہ لے خدا حافظ ترا
اپنا اب پیاسے سفر ہے وا دریغا وا دریغ

جسم پر اکبرؑ کے میداں میں ہزاروں زخم ہیں
اور جو ہے کارگر ہے وا دریغا وا دریغ

باندھتا عباسؑ غازی ہی جو مرنے پہ کمر
ٹوٹتی شہ کی کمر ہے وا دریغا وا دریغ

کہتی ہے بانو کہ مارے پیاس کے دم توڑتا
اصغرؑ تشنہ جگر ہے وا دریغا وا دریغ

نے کوئی ہے شیر کا قطرہ کہ منہ میں سکے دو
اور نہ پانی بوند بھر ہے وا دریغا وا دریغ

کان ہیں بالی سکینہ کے ہوئے لوہو لہاں
اور گرتا خون سر شہ ہے وا دریغا وا دریغ

اس طرح شمر ستمگر نے نکالا کھینچ کر — کان سے اُس کے گہر ہے وادریغا وادریغ
قاسم نوشاہ کے جوڑے سہانے کیلئے — سُرخی خونِ جگر ہے وادریغا وادریغ
کہہ رہا دولہا اُدھر ہے حسرتا وا حسرتا — کہہ رہی دُلہن اُدھر ہے وادریغا وادریغ
اے ظفر میں کیا کہوں کہتا غمِ شبیر میں
دل مرا آٹھوں پہر ہے وادریغا وادریغ

دیگر

یہ کہا کس نے تم سے حالِ دروغ — ہم کو ہو آپ سے ملال دروغ
جا نہ کہنے پہ تو رقیبوں کے — بولتے ہیں وہ بدخصال دروغ
حق وہی ہے جو حق کو ہے منظور — اور سارے قیل و قال دروغ
جائے صیاد دام سے تیرے — اُڑ گئے مرغ شکستہ بال دروغ
ہو نہ تجکو اگر دروغ پسند — کہہ سکے کوئی کبھی مجال دروغ
اس زمانہ میں ہیں وہ اہلِ کمال — جو کہ ہیں بولتے کمال دروغ
مہ ہو ہمتاب تیرے رخ سے غلط — ہمسرِ ابرو سے ہو ہلال دروغ
اے ستمگر خرام ناز سے تو — نہ کرے دل کو پائمال دروغ
شیوۂ راستی ہے خوب ظفر
بات منہ سے نہ تو نکال دروغ

ردیف "ف"

1 کیوں وادیِ وحشت میں نہ کھٹکا رہے — ہر جھاڑ ہے دشمن مرا ہر خار مخالف
وہ روزنِ دیوار سے کیونکر ہمیں جھانکیں — سب تاک رہے ہیں پسِ دیوار مخالف
کیا سحر ہے آنکھوں میں ترے دیکھ کے تجھ کو — ہو جاتے ہیں سب میرے طرفدار مخالف

کر صلح کل اے دل کہ سب اُٹھ جائے لڑائی کافر نہ مخالف ہو نہ دیندار مخالف

برگشتہ زمانہ ظفر ایسا ہوا ہم سے
جو یار موافق تھے وہ ہیں یار مخالف

ردیف "ق"

اے بلہوسو تم کو نہیں ہے خبر عشق
کیا چیز ہے عشق اور ہے کیا شئے اثر عشق

مجنوں بھی قسم ہے جو مرے عہد میں ہوتا
تو اتنا وہ ہوتا نہ کبھی نامورِ عشق

ڈر ہے نہ کہیں خیمہ افلاک جلا دے
ہیں نالۂ سوزاں میں ہمارے شررِ عشق

ہرگز نہیں ہم بھولنے کے عشق کا رستہ
یہ حضر دل اپنا ہے سدا راہبرِ عشق

یہ عشق میں سودا ہوا تنکے لگے چننے
اب دیکھیے کیا اور ہے مدِ نظر عشق

پیدا ہوا اثر نالۂ دل میں جو ہمارے
ہم جانیں ہوا بارور اپنا شجرِ عشق

کیونکر نہ رہے گریہ زاری میں ہمیشہ
سینہ میں دل اپنا ہے ظفر نوحہ گر عشق

دیگر

اُس کا جو تیر ہوا سینۂ افگار میں غرق
تا بہ سوفار رہا خون دل زار میں غرق

ہاتھ ہیہات نہ آئی روش زلف دراز
دل ہوئے کتنے ہی چاہ ذقن تار میں غرق

اس خرابات جہاں میں نہیں کوئی ہشیار!
جس کو یاں دیکھو وہ ہے نشۂ پندار میں غرق

آبداری وہ ہماری گہر اشک میں ہے

کشتیِ چشم ہو آبِ دُرِ شہوار میں غرق

پھوٹ کر آبلۂ پا مرے گر روئیں تو ہو!
قیس سیلاب رہِ وادیِ پرخار میں غرق

تیرے عکس رخِ پرنور سے مثلِ خورشید
کیا عجب ہووے اگر آئینہ انوار میں غرق

جس طرح رہتا ہے تو فکرِ سخن میں ڈوبا
یوں ظفر کون ہو اس قلزمِ زخار میں غرق

تم جو ہر بات میں کرتے ہو ملاقات میں فرق
تم نے دیکھا مری جانب سے ہے کس بات میں فرق

بھیجے کس کس سے ہیں لکھوا کے خط اُس نے ہم کو
خط میں ہے فرق خطوں کی ہے عبارت میں فرق

نہ رہی اُوس نگہِ مست کی کیفیت سے
گوشۂ مدرسہ و کنجِ خرابات میں فرق

مہ کو کیا حسن سے اُوس مہر لقا کی نسبت
فرق دونوں میں ہے یوں جیسے کہ ذرات میں فرق

چمن دل میں رہیں کیوں نہ گلِ زخم ہرے
جوشِ گریہ میں مرے اور نہیں برسات میں فرق

کرتے ہیں پیش کش اُس کے دُرِ اشک آنکھوں سے
ہم نہیں کرتے ترے غم کی مدارات میں فرق

آج بے وقت وہ کیوں آئے خلافِ عادات
اے ظفر ان کے تو آتا نہیں عادات میں فرق

جوانِ بتوں کی ہے چہرے کی تاب میں رونق
برت کعبہ نہیں ماہتاب میں رونق !!

حیات تو رہی پیری میں لیک وہ نہ رہی
جو تھی حیات کی عہد شباب میں رونق

دکھائی دیتی ہے بے رونقی جدھر دیکھو
گئی زمانہ کی سب انقلاب میں رونق

دکھائے رونق حسن اپنی وہ تو ایک ذرّہ
رہے نہ ماہ میں نے آفتاب میں رونق

فروغ شمع رہی زیر برقع فانوس
بجائے حسن کی تیرے حجاب میں رونق

اگر وہ مست مئے ناز رونق افزا ہو
تو ہو کچھ اور ہی بزم شراب میں رونق

نصیب تیرے سے یوسف کو کب ہے رونق حسن
نہ دیکھی ایسی زلیخا نے خواب میں رونق

دل شکستہ میں ہو رونق نشاط کہاں
کہ ہووے خاک مکان خراب میں رونق

ظفر وہ کیا رُخ روشن ہے واہ صلِّ علٰی
کہ جس کی چھپ نہیں سکتی نقاب میں رونق

دیگر

کیا ہے ماہ مصر میں اور اُس قمر طلعت میں فرق
شکل ہے دونوں کی یکساں کچھ نہیں صورت میں فرق

بوسہ دے اپنے لب شیریں کا مجھ کو نزع میں
اے شکرلب کچھ نہیں ہے اسمیں اور شربت میں فرق

نے تفاوت فتنۂ محشر میں اور رفتار میں
نے قیامت میں ہے اور اُس جلوہ قامت میں فرق

رات دن کا فرق ہے دنیا و دیں میں غافلو!
پر نہیں معلوم ہوتا تم کو کچھ غفلت میں فرق!

دونوں ہیں حیران برابر تیری صورت دیکھکر
میرے اور آیینہ کے ہرگز نہیں حیرت میں فرق

کونسا عیسیٰ نفس آیا عیادت کے لیے!
آج ہے کل سے دل بیمار کی حالت میں فرق

دل میں کچھ اوس کے مقرر فرق اب کی ہے ظفر
دیکھتے ہیں ان دنوں ہم یار کی اُلفت میں فرق

ردیف الکاف عربی

خطا واروں کا خط کیا لیکے جائے نامہ بر وہاں تک
کہ ہیں رستہ میں لاکھوں طرح کے خوف و خطر وہاں تک

نظر سے دور ہے نظارگاہ یار کیا کیجیے
جہاں تک پہونچ سکتی ہے پہونچی ہے نظر وہاں تک

جو دل کو راہ ہے دل سے تو کیا مشکل ہے گر پہونچے
ترے دل کی خبر یہاں تک مرے دل کی خبر وہاں تک

رہے گا زور شور ایسا نہ پھر مجنوں کا صحرا میں
پہونچ جائے گا گر مجھ سا کوئی شوریدہ سر وہاں تک

قفس سے چھٹکے مرغِ ناتواں کیا جائے گلشن میں
کہ جھڑ پڑتے ہیں جاتے جاتے سب پر ٹوٹ کر وہاں تک

چمن میں نافۂ مشکِ ختن ہو جائے ہر غنچہ
شمیم کاکلِ مشکیں تری پہونچے اگر وہاں تک

بھلا اتنا تو رو مجھ کو اگر منظور ہے رونا
بہا کر اشک لیجائیں تجھے اے چشمِ تر وہاں پر

ہمیشہ حضرتِ ناصح ہمیں باتیں بناتے ہیں
کبھی تشریف لے جاتے نہیں یہ اے ظفر وہاں تک

ولہ

وہم کی راہ نہیں اے دلِ آگاہ ہے ٹھیک
راہ جو صدق و یقیں کی ہے وہی راہ ہے ٹھیک

حلقۂ زلف میں تیرے رخِ پرنور کو ہم
دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہمیں ماہ ہے ٹھیک

اڑ چھپتا ترے کوچے میں ہے ہمراہ صبا
تیغ کلیسہ ہ مراب تو پرِ کاہ ہے ٹھیک

سرکشی کرتا ہے ہم سے فلکِ ناہنجار
دیکھیں تو کیا بناتی اسے اے آہ ہے ٹھیک

دل گدا کا ہو جو دولت سے عنایت کے غنی
شاہ کیا بلکہ اُسے کہنا شہنشاہ ہے ٹھیک

کیونکہ زیبا نہ تجھے جامۂ رعنائی ہو!
اے صنم تیری ہی قامت پہ یہ واللہ ہے ٹھیک

اے ظفر لوگ محبت کی ہوا باندھتے ہیں
پر نظر آتا نہیں کوئی ہوا خواہ ہے ٹھیک

میری اور مجنوں کی کیا تصویر ہے دونوں کی ایک
وہی طوق ایک اور وہی زنجیر ہے دونوں کی ایک

برق سے نالہ کی میرے کچھ شرار کم نہیں
آتش افروزی میں تو تاثیر ہے دونوں کی ایک

مسجد و بتخانہ سنگ و خشت سے دونوں بنے !
فرق کچھ ان میں نہیں تعمیر ہے دونوں کی ایک

قیس سے سنیئے کہانی مجھ سے میری قیس کی
داستاں ہے ایک اور تقریر ہے دونوں کی ایک

جو لکھا دشمن نے مجھ کو وہی لکھا دوست نے
قاصد و کیا ایک قلم تحریر ہے دونوں کی ایک

دونوں وہ ناز و ادا دشمن ہیں میری جان کے
قتل کرنے میں مرے تدبیر ہے دونوں کی ایک

جیسا سرگرداں ہوں میں ویسا ہی سرگرداں ہے چرخ
فی الحقیقت گردش تقدیر ہے دونوں کی ایک

دل کے کر دیتی ہیں دو ٹکڑے تری دونوں بھویں
اے ستمگر برش شمشیر ہے دونوں کی ایک

جو برابر جانتے ہیں رتبہ شاہ و گدا !!
اُن کے نزدیک اے ظفر توقیر ہے دونوں کی ایک

دیگر

جستجو میں اُس کی جب دوڑی نظر سو لاتک
آئی پھر یاس الٹی دفعتہً ٹکر کو نکوں تک

کونسا صیاد آیا دشت میں بہر شکار !

ایک بھی باقی نہ چھوڑا اجبا نور کوسوں تلک

گر شب تاریک میں بھی آئے بیتابی یہ تو
روشنی ہو جائے اے رشک قمر کوسوں تلک

آ گیا فرہاد کی تربت پہ گر رونا ہمیں
ہوگا پانی کوہ کے بھی تا کمر کوسوں تلک

دشت وحشت میں رکھے تیرا جو دیوانہ قدم
تو اُڑا دے خاک وہ شوریدہ سر کوسوں تلک

حیف تو ہے حال سے میرے ہے اب تک بیخبر
ورنہ پہونچی ہے یہ ہر جانب خبر کوسوں تلک

ہے جہاں مدفن تمہارے عاشق دلسوز کا
سبز ہوتا واں نہیں ہرگز شجر کوسوں تلک

ہے رواں ہر دم ہمارے دیدۂ خونبار سے
خون دل کوسوں تلک خون جگر کوسوں تلک

کھولدیتا ہے وہ جبدم اپنی زلف مشکبو
پہونچتی ہے اُس کی خوشبو اے ظفر کوسوں تلک

دیگر

آہ ہے یا نالہ دل میں ہے اثر دونوں کا ایک!
وہ ہیں نخل باغ غم پر ہے ثمر دونوں کا ایک

رنج و غم کو دل سے اپنے میں نکالوں کسطرح
ہو گیا ہے ایک مدت سے یہ گھر دونوں کا ایک

کیا بچوں ناز و ادا سے قتل کرنے میں مرے

ہے ارادہ اب تو اے بیداد گر دونوں کا ایک

گرچہ جلتی دیر تک ہے شمع اور پروانہ جلد
لیک ہے سوز دل و سوز جگر دونوں کا ایک

فرق تجھ میں اور مہ کنعان میں ہووے کس طرح
جب ہو نور حسن اے رشک قمر دونوں کا ایک

جو ہیں زخم تیغ غم دل پر جگر پر بھی وہی
حال ہے اب عشق میں اے چارہ گر دونوں کا ایک

کیوں نہ مجنوں اور ہم دونوں چلیں اک راہ پر
جبکہ ہووے اے جنوں تو راہ بر دونوں کا ایک

کیا ہوا صورت میں کوئی خوب ہے اور کوئی زشت
لیک صورت گر ہے اے صاحب نظر دونوں کا ایک

دل تو اُلجھا زلف سے ہر زلف اُلجھی دل کے ساتھ
ہے پریشانی سے عالم اے ظفر دونوں کا ایک

وہ آ کر پھر گئے جو میرے گھر تک
پھر آئیں شام سے مضطر سحر تک

مطلع ثانی

سرشک آئے تو کب مژگان تر تک
کہ جب جل ہی گیا دل سے جگر تک

نہیں کعبہ کے جانے کی تمنا
خدا پہونچائے ہم کو اُس کے در تک

ہمیشہ ہاتھ ملتا ہوں کہ میہات
نہ پہونچا ہاتھ میرا اُس کمر تک

ترے تیغ ستم سے اے ستمگر
عزیز اتنا نہیں عاشق کو سر تک

پہونچتی ہے مرے آہ و فغاں سے
خبر دل کی مرے اُس بے خبر تک

ہے تری کارستہ زلف پُر عرق — مانگ ہے اے دل رہ ظلمات خشک
میرا دامن جوں گل شبنم تر دہ — کب ہوا اشکوں سے ساری رات خشک
تر زبانی کچھ نہ کام آئی وہاں — ہو گیا منہ سنتے ہی اک بات خشک
ہاتھ اوٹھاتا محتسب ستو نیہ ہے — ہو ویں یارب اس کے دونوں ہاتھ خشک

اے ظفر اوروں کو بھی اس نے عطر
ہم کو بن ڈلیاں فقط سوغات خشک

ہو کے نثار تجھ پہ یوں دیتے ہیں دم ہمیں تلک
تیز ہے تیری پر جفا تیغ ستم ہمیں تلک

کون ہے وہ کہ جس کے گھر جاتے نہیں خوشی ہو تم
لیک کیا نہ آپ نے رنجہ قدم ہمیں تلک

بعد ہمارے کوئی بھی ہوگا نہ تجھ پہ شیفتہ
ہیں یہ اٹھانے عشق میں رنج و الم ہمیں تلک

خون جگر سے یہ ہمیں کرتے ہیں گلفشانیاں
کوچہ ہے تیرا رشک گل رشک ارم ہمیں تلک

نامۂ شوق غیر تک پہونچے تمہارے گئے ہی
بھیجا نہ تم نے کوئی خط کر کے رقم ہمیں تلک

ہم سے زیادہ غیر پر کرتے ہیں وہ عنایتیں
کہتے تھے ہم کہ اُن کے ہیں لطف و کرم ہمیں تلک

بات کا اُن کے اے ظفر آئیگا کسکو پھر یقیں
ہیں جو یہ اُن کے معتبر قول و قسم ہمیں تلک

دیگر

تو نے ظالم نہ مری بات کبھی مانی ایک
میں نے رو رو کے کیا اپنا لہو پانی ایک

تیری شمشیر دو ابرو کے برابر تلوار
نہ خراسانی ہی دیکھی نہ صفاہانی ایک

چھیڑ کر زلف کیا یار کو برہم ہم نے
ہو گئی وصل کی شب ہم سے وہ نادانی ایک

تیرے مجنوں نے بیاباں کو کیا جو پامال
نہ رہا نام کو بھی خار بیابانی ایک

خوں کے قطروں میں اس طرح کوئی اشک کی بوند
جیسے ہو فوج قزلباش میں درانی ایک

یوں تو ظاہر کے الم سیکڑوں ہیں میرے لیے
پر ہوا سب سے ہے دل میں غم پنہانی ایک

سرمہ آلودہ ہے جیسا ترا آنسو ایسا
ہم نے دیکھا کہیں موتی نہ سلیمانی ایک

چھٹ گئے خانۂ زنداں سے ہزاروں قیدی
پر چھٹا تیری محبت کا نہ زندانی ایک

جیسے اُس زلف پریشاں میں مرا دل اُلجھا
مجھ کو رہتی ہے ظفر اور پریشانی ایک

دیگر

بات سن پائیں گر مروڑ کی ایک
کہدیں لاکھوں میں ہم کروڑ کی ایک

محتسب سے بنی ہے میکدہ میں
وہی تدبیر توڑ پھوڑ کی ایک

ہم گئے سیدھے سوئے منزل عشق
راہ اس میں نہ دیکھی موڑ کی ایک

تیرے مغموم کو ہنسی کی بات
خوش نہ آئی کسو ہنسوڑ کی ایک

غم زیادہ جھنجھوڑے اور مجھے
گر شکایت کروں جھنجھوڑ کی ایک

دختِ رز لگ گئی ہے منہ ورنہ
ہے یہ مردار سو بدروڑ کی ایک

صورتیں ہیں فریب کی لاکھوں
پر نہیں پاتے اُس کے جوڑ کی ایک

روؤں اتنا کہ ڈوب جائے جہاں
اب تو یہ بات ہے نچوڑ کی ایک

دل ہزاروں کے ٹوٹ جائیں ظفر

بات کہہ دیں وہ ایسی توڑ کی ایک

جب تلک دم کی آؤ جاؤ ہے ٹھیک
ہمد و بات جو بناؤ ہے ٹھیک

روزن دل سے دیکھتا ہوں اُسے
یہاں سے اُس یار کا دکھاؤ ہی ٹھیک

دست و پا باندھے ہے حنا اُس کے
ہاتھا پائی کا آج داؤ ہے ٹھیک

حضرتِ دل تمھیں بنا سکتا
کون اس کے سوا بناؤ ہی ٹھیک

اپنی لے جامہ زیب تو پوشاک
جو بنائے ترا بناؤ ہے ٹھیک

میرا قصہ نہیں غلط سارا
کچھ نہ کچھ وہ تو آدھا پاؤ ہی ٹھیک

ماہ سے اے ظفر شباہت میں
تیغ ابرو کا اُس کے گھاؤ ہے ٹھیک

تُم نے کی غیروں میں مے نوشی اُدھر دو دن تلک
ہم اُدھر پیتے رہے خونِ جگر دو دن تلک

مطلع ثانی

تم نہ آئے ایک دن کا وعدہ کر دو دن تلک
ہم پڑے تڑپا کئے دو دو پہر دو دن تلک

دردِ دل اپنا سُناتا ہوں کبھی جو ایک دن
رہتا ہے اُس نازنیں کو دردِ سر دو دن تلک

تو مہینوں روز غائب ہی رہے ہے ورنہ ماہ
اک مہینہ میں نظر آتا نہیں دو دن تلک

رستہ تھا اک دن کا اُس کا گھر اگر لایا جواب
ہم نے دیکھی راہ تیری نامہ بر دو دن تلک

دیکھتے ہیں خواب میں جس دن کسو کی چشمِ مست !
رہتے ہیں ہم دو جہاں سے بےخبر دو دن تلک

تو شہیدِ ناز کا اپنے سوم ہو لینے دے !
اے ستمگر پان کھانا ترک کر دو دن تلک

گر یقیں ہو یہ ہمیں آئے گا تو دو دن کے بعد
تو جئیں ہم اور اس امید پر دو دن تلک

کیا سبب کیا واسطہ کیا کام تھا بتلایئے !
گھر سے جو نکلے نہ اپنے تم ظفر دو دن تلک

دیگر

ہماری چشم رہی اشکبار برسوں تلک
برستے دیکھا نہ ابرِ بہار برسوں تک

تمہارے ظلم و ستم کا شمار ہو نہ سکے
کرے اگر کوئی اُن کو شمار برسوں تک

رہی نہ کوئی نشانی پر اُس کا داغِ فراق
ہمارے پاس رہا یادگار برسوں تک

شرابِ وصل جو ہوتی ہے ایک روز نصیب
تو ہم کو اُس کا رہے ہے خمار برسوں تک

اثر نہ ہو کبھی اُس گل کو مثلِ بلبل ہم
کریں فراق میں نالے ہزار برسوں تک

ملا ہے خاک میں آخر اُڑا اُڑا کر خاک
تری گلی میں ترا خاکسار برسوں تک

ظفر بہار گلوں پر چمن ہے دو روز !
رہے ہے رونقِ رخسارِ یار برسوں تک

ردیف الکاف فارسی

کیوں جامِ مے کے دینے میں کرتا ہے ہاتھ تنگ
ساقی ہے دیکھ عرصۂ بزمِ حیات تنگ

قیدِ حیات ہی میں نہیں تنگ تنگدل !
ہووے گی انکی گور بھی بعد از ممات تنگ

بخیائے غنچۂ تصویر باغ میں !
ایسا ہوس کے منہ سے تسمے ایکبات تنگ

ہو تنگی زمانے کی ہنگام شرحِ حال
کوتہ زبان خامہ دہاں دوات تنگ

دیتا ہے بدصفات کو اک گلشنِ وسیع
زنداں سے ہے زیادہ پے خوش صفات تنگ

ہم ایک عمر تنگ رہے تیرے ہاتھ سے
لے کر بغل میں اپنے تجھے ایک رات تنگ

جو شافعِ امم ہے وہ ہے اپنا پیشوا
اپنے لئے ظفر نہیں راہ نجات تنگ

تجھ بن ہے میرا حال یہ وعدہ خلاف تنگ
لکھوں جو خط تو ہووے قلم کا شگاف تنگ

وحشت کے جوش میں ترے وحشی کے واسطے
ہے عرصہ گاہ قاف سے لے تا بقاق تنگ

کھینچے نہ گھوڑے کی کبھو اپنے وہ شہسوار
کشتوں کے خون سے تا ہو تر زیرِ ناف تنگ

زاہد نکل کے سیرِ خرابات کر ذرا !
حجرے میں کیوں پڑا ہے پے اعتکاف تنگ

یارب پھر آئے موسمِ سرما کہ میں اسے
کھینچوں بغل میں رات کو زیرِ لحاف تنگ

اے دوست تیرے بزم میں جی اپنا کیا کھلے
دل سنکے دشمنوں کی ہے لاف و گزاف تنگ
آئے جو ذکر اُس دہن تنگ کا ظفر
غنچہ کا قافیہ وہیں ہو جائے صاف تنگ

جیسے ہے عشق کے تیرے دل بیتاب میں آگ
یوں کوئی بھر تو سکے ساغر سیماب میں آگ
گرے اک پھول اگر آتش دل کا میرے
تو ہیں گل جتنے کنول کے وہ ہوں تالاب میں آگ
لخت دل آنسوؤں کے رو میں چلے آتے ہیں
کیا تماشا ہے کہ یہاں بہتی ہے سیلاب میں آگ
سوزش غم سے ہے میرے جگر و دل کا یہ حال
جیسے لگ جائے کسی شخص کے اسباب میں آگ
حلقۂ زلف میں ہے اُس کا رُخ آتشناک
لجۂ حسن کی روشن ہوئی گرداب میں آگ
شعلۂ حسن کا تیرے جو تصور ہے مجھے
سو بھی جاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں خواب میں آگ
طرز نالہ کی ظفر سیکھے جو ہم سے بلبل
تو لگا دے چمن لالۂ سیراب میں آگ

دیگر

ہے شرار اشک خون سے چشم طوفاں زا میں آگ
عشق کی گرمی سے دیکھو لگ گئی دریا میں آگ

قصّے سنتے ہیں مرے تیرے لڑائی کے لوگ
تو نے بہلنوائے صنم ساری خدائی کے لوگ

کوئی ہمدرد نہیں کس سے کہوں درد اپنا
سُننے والے نہ رہے درد جدائی کے لوگ

دل پھنسا دامِ محبت میں ہمارا ایسا
کہ ہوئے دیکھکے مایوس رہائی کے لوگ

تاب کیا دیکھ سکیں ایک نظر بھی تجھ کو
ہیں جو مشتاق ترے جلوہ نمائی کے لوگ

باندھتے پنجۂ مژگاں پہ ہیں مہندی خوں سے
کتنے ہی شوق میں اُس دستِ حنائی کے لوگ

خاک اُڑا لے کو رہے اہلِ کدورت باقی
مل گئے خاک میں تھے وہ جو صفائی کے لوگ

واقعی جینا اُنھیں کا بھلا دنیا میں !!
اے ظفر کرتے ہیں جو کام بھلائی کے لوگ

دیگر

رنگ اُس عارض کا ہے رنگِ رخِ گل سے الگ
پیچ و خم اُس زلف کے ہیں شاخِ سنبل سے الگ

اے مصوّر چاہییں دونوں کی تصویریں بہم
ہو نہ بلبل گل سے اور گل ہو نہ سنبل سے الگ

جاں لبوں پر آگئی حسرت سے دل خوں ہوگیا
اب تو کر لب کو کہیں تو ساغرِ مل سے الگ

آیا میں جوں نالۂ زنجیر زنداں سے نکل

کلیات ظفر [illegible] عکس (ب) جلد ۲

ہو گئی زنجیر کبھی مجھ سے مرے غل سے الگ

گاہ کاکل سے بندھے گا کہ کھچنے گا زلف سے
دل نہیں ہونے کا تیری زلف و کاکل سے الگ

دل مرا مانوس ہے مدت سے اُن سے ہمنشیں
گر یہ ہو ویگا بھی ہو گا اک تامل سے الگ

دل براں بے وفا سے بس بہت مل جل چکے!
اے ظفر ہو جاؤ اب اُن سے کسی حیل سے الگ

ردیف اللام!

خط ہے کس کا کہ خط کے لکھنے میں اُس نے قاصد کیا تامل
جو اُس کو لکھتا ہے ہم کو لکھے بلا توقف بلا تامل!

جو ہو کے خنجر بکف وہ آئے تو ہم بھی موجود سر بکف ہیں
نہیں ہے ان کو اگر تامل تو ہم کو اے دل ہے کیا تامل

بہار باراں کا لطف کچھ بھی نہیں نشے کے بغیر ساقی
کیے ہے کیا جام مل کے دینے وقت ابر و ہوا تامل

یہ میرے دل جان میں دونوں حاضر وہ لیلو جو ہو پسند خاطر
نہ مجھ کو اسمیں ذرا تردد نہ مجھ کو اسمیں ذرا تامل

غم و الم سے نجات پاؤں کہ میں نہایت عذاب میں ہوں
بڑا ہی احساں کرے اگر آپ کرے نہ تو اے قضا تامل

دل اپنا سینہ میں جب ہو مضطر ہم اُس کو تسکیں جو دیں تو کیونکر
نظر میں شیوہ ترا تغافل سخن میں شیوہ ترا تامل

ظفر درنگ و شتاب میں نکلتے انساں سے کام لیکن

کرے وہ جلدی کی جائے جلدی کیسے تامل کی جا تامل

تیر مژگاں پہ روا تیر بلا کی تمثیل! تیغ ابرو پہ بجا تیغ قضا کی تمثیل

جبکہ والشمس سے ہو رخ کی تمہارے تشبیہ
کیوں نہ واللیل سے ہو زلف دوتا کی تمثیل

مٹیں پہ نہ اٹھیں در کے ترے خاک نشیں الٹا پہ زیبا ہو نشان کف پا کی تمثیل

صاف ہے خواہش نظارہ میں آئینہ سے
چشم کو اس ترے مشتاق لقا کی تمثیل

ناتوانی میں اسی کا ہے سہارا دل کو آہ کو اپنے نہ دوں کیونکہ عصا کی تمثیل

دینی واجب ہے دم تشنہ لبی اے قاتل
آب خنجر سے ترے آب بقا کی تمثیل

اے ظفر کونسا فتنہ ہے جہاں میں لیا جس سے اس شوخ کی دوں نہ ادا کی تمثیل

دیگر

ڈھیر پہ رکھیں جو شیدائے رخ سیمیں کے پھول
یا تو وہ ہوں چاندنی کے پھول یا نسریں کے پھول

رکھا جب پائے حنائی اس نے اپنا فرش پر
بس گئی عطر حنا میں سر بسر قالین کے پھول

داغ حسرت کیوں نہ پھولوں کی جگہ ہوں بعد مرگ
بیکسی کرتی ہے تیرے عاشق مسکیں کے پھول

کھینچتے ہیں جب تری تصویر اے رشک چمن
جھڑتے ہیں خامہ سے کیا صورت گراں چین کے پھول

دل میں ہیں کیا کیا ارادے ایک تیرے سامنے؟

دست‌ بستہ جاتے ہیں تیرے عاشقِ غمگیں کے پھول
بھر دیا ٹکڑوں سے دل کے ایک نالہ میں حسین!
دیکھیے بلبل نے جو دامن میں سحر گلچیں کے پھول
اے ظفر اُس مہ جبیں کی آفتابی ڈھال پر
چاند ماہِ نو کا ہو تو چاہییں پڑنے کے پھول

دیگر

مرے اُس کے ہے آئینہ سمندر بیچ میں حائل!
کہوں میں کیا اسے سدِّ سکندر بیچ میں حائل
لیا شب ایک بوسہ بھی نہ تیرے میں نے یہ عارض کا
ہوئی زلفِ معنبر ایسی کافر بیچ میں حائل
کرے کیا جانے خوں کس کس کا تیغ موجِ رنگِ گل
نہ ہو مثلِ سپر ساقی جو ساغر بیچ میں حائل
ستم دیکھو کہ جب وہ بیٹھتے ہیں سامنے میرے
تو کر لیتے ہیں دشمن کو مقرر بیچ میں حائل
جدھر دیکھے جمالِ یار ہی تجھ کو نظر آئے!
نہ ہووے پردۂ غفلت ترا گر بیچ میں حائل
دمِ گریہ کدھر جائے ترا عاشق کہ اشکوں سے
نظر آتا ہے اک دریا سراسر بیچ میں حائل
ظفر ہے شوق وصلِ شمع میں پروانہ تو مضطر
مگر ہو جائے ہے فانوس اکثر بیچ میں حائل

اک روز اپنی جان لگا دے تو دیں گے ہم

دیگر

جوں بوئے گل رفیق نسیم چمن ہیں ہم
اے ہمدمو وطن میں غریب الوطن ہیں ہم!

شیوہ ہے تیرا کوہکنی اپنی جانکنی
محنت کشوں میں تو ہے کہ اے کوہکن ہیں ہم

دیوانے جو ہوئے کسی گل پیرہن کے ہیں
صد چاک رکھئے گل کی روش پیرہن ہیں ہم

دل کی طپش سے شعلۂ فانوس کی طرح
بیتاب بعد مرگ بھی زیر کفن ہیں ہم

یاروں کو غش آ رہے سوز غم ہمیں
اس سے بجھاتے دل کی لگی اپنی جلن ہیں ہم

ہیں گرچہ مثل شمع سراپا زباں تو کیا
کہہ سکتے پر زبان سے نہیں کل سخن ہیں ہم

دیوانگی کا شور ہے مجنوں کے آگے ظفر
دکھلاتے جب تلک نہیں دیوانہ پن ہیں ہم

کیا کہیں اے ہمنشیں ہیں آج کیوں بے کل سے ہم
جن سے کل تھی جاں کو اُن سے جدا کل سے ہیں ہم

لاکھ بل ڈالے ہے کافر ایک سیدھی بات میں
زلف تیری ہے بلا ڈرتے ہیں اُس کے بل سے ہم

پیر کا وعدہ کیا ہے اُس بت بے پیر نے!
روز بیٹھے شوق میں دن گنتے ہیں مشکل سے ہم

تیری چشم مست سے ساقی طلب کرتے ہیں جام
رکھتے وقت میکشی مطلب نہیں بوتل سے ہم

ہاتھ جو گردن میں ہو تیرے حمائل اپنا بھی!
سیکھ لیں انداز یہ کیونکر تری ہیکل سے ہم

سینگی جھڑ جائے تری اک پل میں اے ابر بہار

باندھیں اشکوں کی جھڑی مژگاں اگر بادل سے ہم

ہوتا ہے کالا جہاں میں مردم آزاروں کا منہ
پا گئے یہ رمز چشم شوخ کے کاجل سے ہم

ملتے ہیں اپنے تن عریاں پہ خاک اے یار
نے غرض تن زیب سے رکھتے ہیں نے ململ سے ہم

گر زمیں پر ہے گھٹے تو آسماں پر مثل برق
ڈرتے ہیں اے شوق آتش خو تری چھل بل سے ہم

جس نے یہاں رکھا قدم تحت الثریٰ کو وہ گیا
کیونکر نکلیں دیکھئے دنیا کی اس دلدل سے ہم

لاکھ بھاری بنکے بیٹھیں پر سبک ہیں بے وقار
بے ترازو پا گئے اُن کو ظفر اٹکل سے ہیں

دیگر

مجھ سے خم رو ہیں جو میرے دل افگار کے زخم
ہیں یہ کس ابروئے خمدار کی تلوار کے زخم

چارہ گر ہو گئے ناچار ہیں سب چارہ پذیر
دل بیچارہ میں تیغ غم دلدار کے زخم

دست و شمشیر کو قاتل کی دعا کرتے ہیں
منہ جو ہیں کھولے ہوئے میرے تن زار کے زخم

پہونچیں ہم کو دکھ اُس رشک چمن کے گھر میں
گو کہ ہوں پاؤں میں خار سر دیوار کے زخم

کہکشاں کہتے ہیں جس کو وہ مری آہ کی سیف
ڈالتی سینہ پہ ہے چرخ ستمگار کے زخم

دشت وحشت میں مزا پائے برہنہ کیا پائے
تا نہ پہنچے تلک ایڑی سے ہوں سو خار کے خم

زخم حسرت دل فرہاد کے یاد آتے نہیں
دیکھتے ہی جگر لالہ کہسار کے زخم

دل عاشق میں ہوا ہے لب معشوق جو تیز
بوسے ہنس ہنس کے جو لے ہیں لب سوفار کے خم

ہوں دو چار اس کی جو آنکھیں تو نظر تیغ نگاہ
ڈالے دو چار ابھی سینہ پہ دو چار کے خم

وصل کی سو با کر چکے تدبیر ہم
ہو گئے ناچار اے تقدیر ہم

اس صنم کا وصل ہے اپنی مراد
مانتے کیا کیا ہیں اللہ پیر ہم

تیری ابرو قتل کرتی ہے ہمیں
ہوویں کیوں منت کش شمشیر ہم

پڑ گئی الفت کی بیڑی پاؤں میں
ہیں ہمیشہ پائے در زنجیر ہم

بن پڑھے کرتا ہے پرزے خط کے وہ
کیا کریں احوال دل تحریر ہم

چاہتا ہے دل جنوں کے ہاتھ سے
پھینک دیں اپنا گریباں چیر ہم

جب دنیا کی بنا کیا پائدار
کیا کریں اس پر مکاں تعمیر ہم

صورت تصویر حیراں ہو گئے
دیکھ کر اس یار کی تصویر ہم

ذبح کر تو ہم کو بسم اللہ کر آپ
پڑھتے ہیں اپنے لئے تکبیر ہم

موم ہو اس سنگدل کا کیونکر دل
آہ میں رکھتے نہیں تاثیر ہم

بعد مجنوں عشقبازوں میں ظفر
رکھتے ہیں تھوڑی سی کچھ توقیر ہم

اے بت طنار قربانت شوم
اے سراپا ناز قربانت شوم

حلقۂ زلف و کمندِ جان و دل — اے کمند انداز قربانت شوم
چوں مسیحا در لب جاں بخش تو — صد ہزار اعجاز قربانت شوم
مرغ جانم در ہوائے کوئے تو — میکند پرواز قربانت شوم
تا بہ قرباں گاہ من یکدم زناز — باز آ تا باز قربانت شوم
تو بہر انداز زیبا جلوہ — من بہر انداز قربانت شوم

ہر دم آں ابرو کماں را از ظفر
میرسد آواز قربانت شوم

چلنا مریضِ غم کو ہے آٹھ نو قدم — معلوم ہووے ضعف سے دس بیس سو قدم
حد ادب پہ رہتے ہیں آدابِ دانِ عشق — آگے نہیں بڑھاتے کبھی نیم جو قدم
دیکھے جو تیرے ناخنِ پا کو تو کیا عجب — چومے فلک بھی جھک کے ترے ماہ رو قدم
گر کاٹ کر سر اپنا ہتھیلی پہ لے لیا — راہ وفا میں تو نے بچا رکھا تو قدم
پروانہ لو لگائے جلائے جو اپنی جاں — لے اس کے کیوں نہ شمع سبک سر کو تو قدم

کھٹکا ہے ہر قدم پہ ظفر راہ عشق میں
رکھ اپنا دیکھ بھال کے اے راہرو قدم

دیگر

دوستی جو تجھ سے جاہل سے دلی رکھتے ہیں ہم
دشمنی اپنی مگر دل سے دلی رکھتے ہیں ہم
تلخ باتوں سے بظاہر گر نہیں ملتے تو کیا
الفت اس شیریں شمائل سے دلی رکھتے ہیں ہم
زیر شمشیر ستم بھی دل سے دیتے ہیں دعا
کیا محبت اپنے قاتل سے دلی رکھتے ہیں ہم

زلف بل کھائے بلا سے پر ترے رخسار پر
آرزو بوسہ کی ہر تل سے دل رکھتے ہیں ہم

صحبت پیر مغاں ہم کو خوش آئی ہے بدل
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دل رکھتے ہیں ہم

دل فدا کرتے ہیں نام فخر دیں پر اے ظفر
عشق اپنے پیر کامل سے دل رکھتے ہیں ہم

ردیف نون

سوا اس دل کے اپنے بس میں آئے کب کسی کے ہیں
اگر تابو میں ہیں تو ہم اسی کے ہیں اسی کے تھیں

مطلع ثانی

عبث پہناتے ہم کو ہمنیں پوشاک سیکے ہیں
ہمیں بھاتی ہے عریانی کہ دیوانے کسی کے ہیں

ہوئے طاقت سے بے طاقت تو اب یہ حال ہے اپنا
کہ آجاتے غنی پر جس طرح دن مفلسی کے تھیں

ترے دانتوں میں رکھیں اللہ اللہ خوشنما ہیں کیا
لکھے دنداں سیمیں یہ بنگ سے گویا مسی کے ہیں

ورم آنکھوں کا گریہ سے نہیں جاتا اگرچہ ہم
لگائے لیپ گیرو کے مکو کے نربسی کے ہیں

سفال میکدہ کافی ہے ساقی تیرے مستوں کو
نہ خواہاں ظرف چینی کے نہ وہ ظرف مسی کے ہیں

جو اُن کی قوم سے ہے دور نزدیک اُن کے دشمن
کہ وہ تو دوست اپنے دوستاں مجلسی کے ہیں

عجب کیا خاک سے اپنے اگر روئیدہ ہو نرگس
کہ ہم اے شوخ کشتہ تیری چشم نرگسی کے ہیں

ظفر روئے مصفا اُس کا ہے پیش نظر جن کے!
نہیں وہ مائل نظارہ ہوتے آرسی کے ہیں

دل جگر جو پاس ہمارے منچلے دونوں ہی تھیں
رکھ دیئے اس نے بھی خنجر کے تلے دونوں ہی تھیں

گو جلا پروانہ جلدا اور شمع نے کچھ دیر کی
لیکن آتش سے محبت کے جلے دونوں ہی ہیں

نے کوئی وہاں یار جاتا ہے نہ کوئی آشنا
کرتے اُس کے لانے میں آرے بلے دونوں ہی ہیں

جب کئے ہیں دیدہ و دل میں نے اس کے فرش راہ
اُس ستمگر نے بھی تو [illegible] ملے دونوں ہی ہیں

خوشنما عارض پہ تیرے خط بھی ہے اور زلف بھی
لگتے نظروں میں مری کافر بھلے دونوں ہی ہیں

کیوں نہ سمجھو ہمدم اپنا تیغ و خنجر کو ترے
آ کے ظالم سینے لگ جاتے گلے دونوں ہی ہیں

اے ظفر ان سے بچاؤں کس طرح میں عقل و ہوش
جب کبھی آئے ہیں وہ لیکر ٹلے دونوں ہی ہیں

کفِ پا میں ترے مہندی وہاں جب غیر ملتے ہیں
لگی ہے آگ یہاں تلوؤں سے ہم غیرت سے جلتے ہیں

ارادہ ہے ترا اگر کوچۂ جاناں کے جانے کا !
ٹھہر تو اے دلِ بیتاب جلدی ہم بھی چلتے تھیں

لگا دیتا ہے تیرا غمزہ قاتل اک ہاتھ ایسا
کہ بسمل تیرے خوش ہو ہو کے دو دو ہاتھ اچھلتے ہیں

لبِ لعلین نے اُس کے گر نہیں دل خون کیا میرا
تو میری چشم تر سے لال آنسو کیوں نکلتے تھیں

خیال آجائے ہے جس وقت تیرے قدِ موزوں کا
تو مصرع آہ کے کیا کیا ہمارے دل سے ڈھلتے ہیں

الٰہی موم کیوں ہوتا نہیں اُس سنگدل کا دل !
مرے نالے تو وہ ہیں جس سے پتھر بھی پگھلتے ہیں

ظفر ہم دل کے بدلے چاہتے اُس سے نہیں بوسہ
وہ ہم سے تیوری کس واسطے ناحق بدلتے ہیں

دیگر

دل و جاں بوسۂ لب کے عوض بہت بیباک نہ دوں !
دوں ملا خاک میں لیکن تجھے میں ٹاک نہ دوں

کہتی ہے گردشِ تقدیر مجھے چین کہاں !
خوب چکر تجھے جب تک تہِ افلاک نہ دوں

قیمتِ نیم نگہ میں ترے کیا دوں تجھ کو
میں اگر دین و دل و دانش و ادراک نہ دوں

رہے کس طرح تر و تازگیِ گلشنِ عشق !

پانی اشکوں سے گرا دیدۂ نمناک نہ دوں

کھو چکا راہ محبت میں قدم میں اپنا
اب بتا کیوں کہ سر اے قاتل سفاک نہ دوں

سوزن و تار نہ جب تک ہوں وہ مژگاں و نگاہ
سینہ میں اپنا کبھی سینۂ صد چاک نہ دوں !

دے دیا خط اُنھیں قاصد نے ظفر قہر کیا
یہ نہ سمجھا کہ وہ سمجھے ہیں غضبناک نہ دوں

دیگر

اُنھیں غیروں نے جو جو کچھ سکھایا تھا سو کہتے ہیں
ہمیں وہ آج لوگوں میں نہ کہنا تھا سو کہتے ہیں

یونہی کہتے نہیں ہم ماہ نو ابروے جاناں کو
کہ جو آنکھوں سے اپنے ہم نے دیکھا تھا سو کہتے ہیں

نہیں ہم قصہ خواں جو جھوٹ قصے آن کر کہتے
جو کچھ بن فی الحقیقت ہم پہ گذرا تھا سو کہتے ہیں

خطا ہے قاصدوں کی کیا خفا وہ کیوں ہوا اُن پر
پیام اُن سے جو ہم نے کہلا بھیجا تھا سو کہتے ہیں

بڑھا کر ہم کہیں کس واسطے باتیں شکایت کی !
خلاصہ مدعا جو کچھ کہ اپنا تھا سو کہتے ہیں

خبر کچھ لوگ میری قتل کی جیسے نہیں کہتے
کوچہ میں میرے قاتل کا چرچا تھا سو کہتے ہیں

ظفر تحریر اور تقریر اپنی ایک ہیں دونوں
اُنھیں جو کچھ کہ ہم نے خط میں لکھا تھا وہ کہتے ہیں

دیگر

غم نہیں ہم کو اگر رکھے فلک چکر میں !   کہ فلک آپ بھی ہے آٹھ پہر چکر میں
یہ جو پھرتا ہے سدا خانہ بخانہ خورشید   اس سے ظاہر ہے کہ ہیں حبِ زر چکر میں
موج دریائے سرشک اپنی بھی وہ طوفاں ہے   جس کے ہے ایک طمانچے سے بھنور چکر میں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کس زہرہ جبیں کو یا رب   روز و شب رہتے ہیں جو شمس و قمر چکر میں
گردش چشم کا ساقی کے اشارہ ہے یہی   کہ رہے ساغر مے شام و سحر چکر میں
خاک ہو کر تو ذرا بیٹھنے دے چین سے چرخ   جوں بگولا مجھے برباد نہ کر چکر میں

آسیا کی یہ ہوا پھرنے سے معلوم کہ میں
گردش دہر سے پھر بھی لطف چکر میں

کہو اس بے خبر کو ہم خبر بھیجیں تو کیا بھیجیں
کوئی پرچہ بجز لخت جگر بھیجیں تو کیا بھیجیں

وہ جانے کس طرح سر بار ہم کو عشق میں اپنے
اگر اپنا نہ ہم سر کاٹ کر بھیجیں تو کیا بھیجیں

وہاں سے طعنہ و تشنیع کی سوغات آتی ہے !
یہاں سے ہم انھیں سوغات اگر بھیجیں تو کیا بھیجیں

فرشتہ پر نہ مارے اس گلی میں تو تو انساں ہے
تجھے خط دیکے ہم اے نامہ بر بھیجیں تو کیا بھیجیں

قاصد نے کبوتر کہیے یاران عدم رفتہ
ادھر سے کچھ خبر اپنی ادھر بھیجیں تو کیا بھیجیں

جو کشتہ چشم کا آلکی ہو وہ عین عنایت سے
گل نرگس نہ اس کے گور پر بھیجیں تو کیا بھیجیں

کرے جو شیطنت سے سرکشی اور فتنہ پردازی
نہ لعنت اس پہ سب دانا بشر بھیجیں تو کیا بھیجیں

جگر کے ٹکڑے ٹکڑے جان و دل میں ختہ و لوٹ
تجھے کچھ تحفہ ہم اے عشوہ گر بھیجیں تو کیا بھیجیں

ہمارے سایہ سے وہ بھی تو کوسوں دور بھاگے ہیں!
پیام وصل اس کو اے ظفر بھیجیں تو کیا بھیجیں

دیگر

گرچہ سو چشمہ رواں دیدۂ نم سے ہو جائیں
جل کے ہم خاک سے اس آتش غم سے ہو جائیں

مطلع ثانی

کیونکہ آگاہ ترے طرز ستم سے ہو جائیں
جب تلک تیرے ستم دیدہ نہ ہم سے ہو جائیں

ہو پہنچیں کب برہمن و شیخ ترے در کے قریں
دور جب تک نہ وہ دیر و کرم سے ہو جائیں

دم بھرے جائیں محبت کا ترے بے جاناں
گرچہ دو ٹکڑے کبھی یہ تیغ دو دم سے ہو جائیں

بھول جائیں ابھی سب پند و نصیحت واعظ
باتیں دو چار جو اس میرے صنم سے ہو جائیں

سیکڑوں فتنۂ خوابیدہ جہاں میں پیدا
اے ستمگر تری آواز قدم سے ہو جائیں

اس کف پائے نگاریں سے ملوں گر آنکھیں
اشک رنگیں مرے گلہائے ارم سے ہو جائیں

دمبدم چھیڑ نہ تو زلف کو ان کے ایدل
ہم کو ڈر ہے کہیں برہم نہ وہ ہم سے ہو جائیں

خامۂ آہ ہے بس شرح جدائی کو ظفر

دست بردار نہ ہم کیوں نہ قلم سے ہو جائیں

دیگر

بلا سے گرچہ ہوتا راز دل افشا ہے رونے میں
نہ روکو مجھ کو رونے سے مزا آتا ہے رونے میں

ہنساتا ہے ذرا تو عالم رویا میں جو آ کر !
بسر کر دیتا ساری شب ترا شیدا ہے رونے میں

پڑا ہے کشتیٔ افلاک کا رونا زمانے کو
مری آنکھوں نے وہ طوفان کیا ہے برپا رونے میں

مری دیوانگی کا اے پری رو ہے عجب عالم
کبھی رونے میں ہنستا ہے کبھی ہنستا ہو رونے میں

ہزاروں دل لگی کے شغل ہیں پر دل نہیں لگتا
جو تجھ میں اپنا جی لگتا ہے تو لگتا ہے رونے میں

غبار اس یار کے دل سے ذرا دھویا نہیں جاتا
اگرچہ میرے چشموں سے رواں دریا ہو رونے میں

سنا ہے نوح کے طوفان کو یاروں نے کانوں سے
مگر آنکھوں سے اپنے ہم نے وہ دیکھا ہو رونے میں

لگے آگ ایسے رونے کو کہ مثل شمع گھل گھل کر
بہا جاتا ترا دلسوز سراپا ہے رونے میں

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے
رہا کون اپنے آنسو پوچھنے والا ہو رونے میں

صنم ہم کہیں تو کیا کہویں بخدا ہم کہیں تو کیا کہویں
مدعی کہنے ہی نہیں دیتے مدعا ہم کہیں تو کیا کہویں

حال غم تجھ سے کہہ چکے یکبار   بارہا ہم کہیں تو کیا کہویں !
اپنے رونے کا تیرے ہنسنے کا   ماجرا ہم کہیں تو کیا کہویں !
نہیں فرصت جو تجھے حسرت دل   حسرتا ہم کہیں تو کیا کہویں
کہتے ہیں سب نہیں وفا تجھ میں   بے وفا ہم کہیں تو کیا کہویں
خاک در کو ترے کہیں اکسیر   توتیا ہم کہیں تو کیا کہویں
تو تو منہ سے کہے ہے ہم کو بُرا   پھر بھلا ہم کہیں تو کیا کہویں
تجھسے کہویں جو ہو مزے کی بات   بے مزہ ہم کہیں تو کیا کہویں
تجھسے وہاں کچھ کہا نہیں جاتا   قاصدا ہم کہیں تو کیا کہویں

بن کہے ہی وہ اے ظفر ہمسے
ہے خفا ہم کہیں تو کیا کہویں

دیگر

کوئی آئینہ دل کا نہیں کہ جہاں رخ یار کی جلوہ نمائی نہیں
یہ قصور ہے اپنی نظر کا فقط کہ جو دیتا وہ ہم کو دکھائی نہیں

تیری زلف دوتا ہے نٹ ہوش ربا وہ ہر دام بلا کہ بچائے خدا
کہ جو اُس میں پھنسا وہ پھنسا ہی رہا کبھی اسکی امید رہائی نہیں

کہا میں نے جو اُس سے کہ اسکو بجھا یہ دل میں گیا ہے تو آگ لگا
تو یہ سنکے وہ ناز سے کہنے لگا مجھے آتی لگائی بجھائی نہیں

وہ رہے ہے ملا ہوا آٹھ پہر مگر اُس سے جدا ہے تو آٹھ پہر
کرے دور دوئی کو یہ دل سے اگر تو پھر اسمیں اور اسمیں جدائی

نہیں منہ سے تو کہتا اگرچہ ہے تو کوئی بات کدورت دل کی مجھو
دلی غور سے دیکھا تو آئینہ رو ترے دل میں ذرا بھی صفائی نہیں

جو بھلے ہیں بھلے ہی رہیں گے سدا کوئی ہو بُرا دم نہیں کیا کہا

جب کہتے ہیں منہ سے وہ اپنے بھلا کبھی کہتے پھر اسکی برائی نہیں
تری پلکوں سے کس لیے آٹھ پہر ٹپکتا ہی رہتا ہے خونِ جگر
تری چشم پر آب میں اس کا ظفر جو تصورِ دست حنائی نہیں

دیگر

کس زلف کے سودے کی ہے تاثیر ہوا میں
ہے موج دخانِ صورتِ زنجیر ہوا میں

دیتے ہیں بگولے سے مری خاک کو چکر
اب تک مری گردشِ تقدیر ہوا میں

ساقی سپرِ جام کو کیا ہاتھ سے رکھے
ہر موج ہوا لگتی ہے شمشیر ہوا میں

جاتا ہے اڑا کیا طرف اس صید فگن کے
مرغِ دلِ وحشی روشِ تیر ہوا میں!

آجائے جو خاکِ قدمِ یار مرے ہاتھ
جوں خاک اڑا دوں ابھی اکسیر ہوا میں

کہدیں وہ جب یہ ہے ہوا خواہ ہمارا
آجائے نہ کیوں باعثِ توقیر ہوا میں

کیا کیا ہو ہوا مشک فشاں اے ظفر اس دم
جب کھول دے وہ زلفِ گرہ گیر ہوا میں

دیگر

نہیں ٹیکے جائے یار نے اپنے دو ابرو میں — بنایا مانگ سے قبضہ لگا کر شاخ آہو میں
پڑیں کیا پاؤں زنجیریں ترے مجنوں کے زندانیں — نکلجائے اگر صحرا کو بھی کانٹے قدم جو میں

خدا جانے کہ سینہ میں مرے کیا رنگ ہے دل کا
نظر آتی ہے کچھ آمیزش خون آج آنسو میں

گہر ہے کان میں اُس مہوش کے بیچ حیراں ہوں
ستارہ جلوہ گر خورشید کے ہے کیونکہ پہلو میں

بچانا چاہیے کوچے میں اُس کے ہیچ کہا تو نے
برائے غمخوار کیا کیجے نہیں دل اپنے قابو میں

اگر برپا ہو طوفاں دیدۂ خونبار سے میرے
تو ہو وے کشتی افلاک تک بھی غرق لوہو میں

مزا برسات میں ہے ساقیا یوں بادہ نوشی کا
اِدھر ابر سیہ جھومے اُدھر مستی میں ہم جھومیں

اگر زنجیر ہوتی توڑ کر کب کا نکل جاتا
دل دیوانہ کو باندھا ہے تو نے اپنے گیسو میں

اگر گلگشت کو جائے ظفر وہ رشک گل میرا
بہار آئی مچائیں عندلیبیں باغ میں دھومیں

تری نگاہیں جو اے فتنۂ زمانہ لڑیں
تو دل پہ لاکھوں بلائیں ناگہاں دوڑیں

ہمارے حال سے وہ بے خبر نہیں آگاہ
وگرنہ یہ خبریں ہیں کہاں کہاں دوڑیں

ہم فراق کے ہاتھوں سے ہو کے فریادی
زمیں سے آہیں مری سوئے آسماں دوڑیں

اگرچہ آنکھیں تری پرنیاں ہیں پر اے شوخ
شکار دل پہ مرے جیسے چیتیاں دوڑیں

ہوا سے کیوں مری زلفیں لگی ہیں لہرانے
یہ ناگنیں سے ڈسنے کو دلستاں دوڑیں

بلائیں لینے کو پریاں تری پرستاں سے
ہوائی گھوڑے پہ چڑھ چڑھ کے میری جان دوڑیں

زباں پہ آیا نہیں اپنے ایک حرف ظفر
کہ پہلے ہی سے یہاں ان کی چیٹھیاں دوڑیں

دیگر

نور تیرا ہی فقط شمس و قمر میں کچھ نہیں
آ نہ یہاں تیرے سوا اپنی نظر میں کچھ نہیں

پہونچیں گے کیونکر چمن تک ہم قفس سے چھوٹ کر
طاقت پرواز اپنے بال و پر میں کچھ نہیں

کوئی دم مہماں ہے یہ مثل چراغ صبحدم
جلد آ باقی تری تفتہ جگر میں کچھ نہیں

دور گوہر کو کہوں کس طرح میں تشبیہ اشک
آبداری روبرو اُس کے گہر میں کچھ نہیں

تو مسافر ہے یہاں اُٹھ فکر کچھ چلنے کا — دیکھ غافل اسقدر غفلت سفر میں کچھ نہیں
جیب میں ہو یا کمر میں ہو تو ہو خط کا جواب — ہمنشیں ظاہر تو دست نامہ بر میں کچھ نہیں
سیکڑوں مہماں چلے آتے ہیں صورت آشنا — اور اپنے صورت آئینہ گھر میں کچھ نہیں
ہے چمک کیا کیا دکھاتی ہستی ناپائدار — پھر جو مثل برق دیکھو لحظہ بھر میں کچھ نہیں

کر چکے ہم اشکباری عشق میں پہلے ظفر
اب تو جز خونِ جگر اس چشم تر میں کچھ نہیں

دیگر

محبت کے سبب پڑتا ہے یہ انسان جوکھوں میں
وگرنہ ڈالتا ہے کون اپنی جان جوکھوں میں
انھیں جوکھوں سے کیا دنیا میں جو ہیں بے سر و ساماں
پڑے ہے آپ منعم باعث سامان جوکھوں میں
محبت ہے جنھیں زر کی نماز ان کی نہ پوچھو تم
اگرچہ سر ہے سجدہ میں مگر ہے دھیان جوکھوں میں
جگہ جوکھوں کی ہے مہمان سرائے ہستی فانی
کہ جو آکر رہا یاں وہ رہا مہمان جوکھوں میں
یہ وہ جوکھوں ہے اسمیں پہلے رکھ لے سر ہتھیلی پر
نہیں رکھنا قدم کچھ عشق کے آسان جوکھوں میں
گرہ اُس زلف کی کھولے تو کر دو منع شانہ کو 1
کہ ڈالے ہر کسی کے ہاتھ کیوں نادان جوکھوں میں
ظفر مائل ہو جو آن و ادا پر اُس ستمگر کے!
اُٹھائے جان پر جوکھوں رہے ہر آن جوکھوں میں

اپنے غمزہ سے جنہیں آپ ذرا جھانکتے ہیں
پھر سنو اُن کی تو کیا کیا وہ زٹل ہانکتے ہیں

شب کو گلزار پہ اک اوس سی پڑ جاتی ہے
منہ کو شبنم کے دوپٹے سے جو وہ ڈھانکتے ہیں

جستجو بازارِ محبت میں مرا گوہرِ دل
پوچھو تم جوہریوں سے کہ وہ کیا آنکتے ہیں

کوئی گل اور کھلا چاہتا ہے رشکِ چمن
آپ کرتی پہ نئے رنگ سے گل ٹانکتے ہیں

کچھ تو آتا ہے انھیں دشت نوردی میں مزا
خاک صحرا کی جو دیوانے ترے پھانکتے ہیں

بل بے نفرت کہ ہمیں دیکھ کے خوبانِ فرنگ
جلد جلد اور بھی بگھی کو سوا ہانکتے ہیں

دی ظفر جن کو خدا نے ہے صفت ستاری
کھولتے عیب کسی کے وہ نہیں ڈھانکتے ہیں

یوں شعلہ سوزِ غم سے اٹھا دل کے داغ میں
جیسے بھڑک گیا ہو فتیلہ چراغ میں

رخ پر ترے پسینوں کے قطروں سے ہے بہار
کیا پھول چاندنی کے ہیں مہتاب باغ میں

ناصح نصیحتیں تری ہم سن چکے بہت !
خاموش ہو کہ اب نہیں طاقت دماغ میں

اے مست ناز پیتے ہیں مجلس بجائے مے
ہم بھر کے اشکِ دیدۂ تر کے ایاغ میں

نہ چھیڑ کرتے ہیں تجویز نے کھیر میل کرتے ہیں
وہ جب آراستہ کرتے ہیں پلٹن اپنی مژگاں کی
تو ناز و غمزہ کو کپتان اور کرنیل کرتے ہیں
انھیں منظور سب سے پہلے ہے سر کاٹنا میرا
کہ سرباز و نہیں اپنے وہ مجھے سرخیل کرتے ہیں
نہ جس کو عقل ہو اور ہو کتابوں سے لدا پھرتا
ظفر اُس آدمی کو ہم تصویر بیل کرتے ہیں

جو کام ہو گریہ سے میرے اک گھڑی میں
وہ ہووے نہ باراں سے کئی دن کی جھڑی میں
یہ انجم گردوں کو تمنا ہے کہ ہم بھی
ہوں موتیوں کے جا ترے جھومر کی لڑی میں
ہے آب بقا پردۂ ظلمات میں پنہاں
دیکھ اُس لب جاں بخش کو مستی کی دھڑی میں
جو پارۂ دل ہیں مژۂ تر پہ نہوں گے
ایسے گل رنگیں کہیں پھولوں کی چھڑی میں
انسان کو مناسب ہے کرے بات بڑی بھی
کہہ دے نہ کڑی منہ سے نہیں لطف کڑی میں
ذرات کی گھڑیاں ہیں گھڑی دیکھ نہ غافل
دم دم کا ہے احوال ترے دل کی گھڑی میں
وہ جیسے ہیں دل جانتا ہے خوب ہمارا
ہم اے ظفر آئے ہیں کوئی اُن کی تڑی میں

دشمن جو حسینوں کو ہم جان کے کہتے ہیں
یاں نہیں نہیں کہتے ہیں کچھ جان کے کہتے ہیں
ہم تیری طرح کافر جھوٹے نہیں الفت میں
جو کہتے ہیں ساتھ اپنے ایمان کے کہتے ہیں
جو روئے کتابی کو کہتے ہیں ترے قرآں
وہ خط کو ترے معنی قرآن کے کہتے ہیں

یاروں سے کہو دیکھیں عالم مرے رونے کا
یہ قصے پورا نے کیا طوفان کے کہتے ہیں

اسرارِ محبت کو کیا جانے تو اے ناصح
نادان ہیں جو ہم آگئے نادان کے کہتے ہیں

غماز ہیں تم جن کو ہمراز سمجھتے ہو !
جو کہتے ہو وہ ہم سے سب آن کے کہتے ہیں

بھید اپنا ظفر سب سے کہہ دیتے نہیں دانا
کہتے ہیں تو انساں کو پہچان کے کہتے ہیں

دیگر

غیر اُن سے سو طرح کی گفتگو رکھتے تو تھیں !
یہ مزاج اب تک وہ ہم سے ایک سو رکھتے تو ہیں

تجھ سے گو جاہل نہیں پر اپنی ہم تیغ زباں
واسطے دشمن کے تیز اے تند خو رکھتے تو ہیں

چشم پُر آب و دلِ پُر خون کی اپنے پاس
ہم بھی اس بت خانہ میں جام و سبو رکھتے تو ہیں

یہ نہیں معلوم وہ تقدیر میں ہے یا نہیں
ایک وصل یار کی ہم آرزو رکھتے تو ہیں

جو اثر ہے آہ و نالہ میں ہمارے وہ کہاں
نغمۂ خوش مطربانِ خوش گلو رکھتے تو ہیں

وہ بیتے کے واسطے قبرِ شہید ناز پر
جائے گل لالہ کے برگِ ناز بو رکھتے تو ہیں

ناتوانی سے نہیں جنبش کی بھی طاقت ظفر

اب تک اس پر بھی ہم اُس کی جستجو رکھتے تو ہیں

دلگیر

ہم اُن کی زلف کو ہاتھوں سے جب سنوارتے ہیں
تو دانتوں کاٹتے تھیں اور وہ لاتیں مارتے ہیں

نہ آؤ گر نہیں آتے مگر جواب تو دو!
تمہارے در پہ کھڑے شب سے ہم پکارتے ہیں

کوئی تو اُن کی نظر پر چڑھا ہے جو ہم کو
گراتے آنکھ سے ہیں دل سے وہ اُتارتے ہیں

جو تیری چاہ میں ڈوبا وہ کب اُبھرتا ہے
ہزار اس کو اگر آشنا اُبھارتے ہیں

قمار عشق میں رہتی ہے بازی اُن کے ہاتھ
وہ جان ہار کے جاں اپنی اس میں ہارتے ہیں

کب ایک جام سے ہوتے ہیں ساقیا سیر آب
وہ بادہ کش کہ جو پیاں خم کے خم ڈکارتے ہیں

ظفر جو کھینچتے ہیں ہاتھ اپنا دنیا میں
ہمیشہ پاؤں وہ آرام سے پسارتے ہیں

ترا سا غمزہ و ناز اے صنم کسو میں نہیں!
جو تجھ میں ہے وہ خدا کی قسم کسو میں نہیں!

بغیر رنج کے کوئی نہیں ہے کار جہاں
مگر جو عشق میں ہے رنج و غم کسو میں نہیں

گہر سے اشک کے کیا موتیوں کو دوں نسبت

جو اس میں آب ہے اے چشم نم کسو میں نہیں

اگرچہ ہیں چمن دہر میں ہزاروں گل
ولیک بوئے وفا پاتے ہم کسو میں نہیں

نہ موج میں ہے نہ زنجیر میں نہ سنبل میں
جو اُس کی زلف میں ہے پیچ و خم کسو میں نہیں

سب اُس کو دیکھ کے حیراں ہیں صورت تصویر
ہوا یہ حال ہے گویا کہ دم کسو میں نہیں

خط اُس نے بھیجے کئی لکھ کے اے ظفر ہم کو
پر ایک حرف محبت رقم کسو میں نہیں

خواہ میں ہوں راہ پر اور خواہ میں گمراہ ہوں
لیکن اس بت کا فدائے صورت دلخواہ ہوں

گو خمیدہ پشت ہوں میں ضعف سے مثل کماں
پر لگا تا سینۂ گردوں پہ تیر آہ ہوں

خاک میں مجھ کو ملا لیکن گذر اس راہ سے
مثل چشم نقش تخت پر تری میں راہ ہوں

کنج تنہائی میں میرا مونس جاں کون ہے
رکھتا اک غمخوار اپنا میں غم جانکاہ ہوں

یہ جو دل کی بیقراری میں کبھی کرتا ہوں آہ
اپنے حال دل سے میں کرتا اُسے آگاہ ہوں

چھوٹتا ہے کب برنگ سایہ مجھ سے تیرا ساتھ
تو کہاں چلتا ہے چل میں بھی ترے ہمراہ ہوں

عشق کی دولت مجھے حاصل ہوئے یہ نقد داغ

اے ظفر میں عشق کا کیوں کر نہ دلخواہ ہوں

دیگر

ہماری اور مجنوں کی جو تصویریں ہیں دو کھچیاں
تو یکساں پاؤں میں دونوں کے زنجیریں ہیں کھچیاں

کھنچی اک آہ دل سے اک جگر سے ناتوانی میں
بڑی مشکل سے کر کے لاکھ تدبیریں ہیں کھچیاں

نہیں لکھا قلم کھیرا کے خط وہ دونوں عارض پر
مگر جلدی میں یہ قرآں کی تفسیریں ہیں کھچیاں

دیا ترک وفا دہر کی باتوں کو طول اتنا
زیادہ حد سے ناصح کی یہ تقریریں ہیں کھچیاں

بچیں ہم دیکھیے کیونکر تری تیغ دو ابرو سے
کہ اپنا ایکدم اور اُس پہ شمشیریں ہیں دو کھچیاں

لگیں کیونکر نہ کھنچا اے ظفر دو تیر سے دل میں
دو چشم یار میں سرمہ کی تحریریں ہیں دو کھچیاں

دیگر

ایک بدگو ہو تو میں اس کے سخن کو پکڑ دوں ! !
واں سب ہی ایسے ہیں کس کس کے دہن کو پکڑوں

سوچتا جی میں ہوں اُس زلف دو در گوش کو دیکھ
سانپ کو پکڑوں کہ میں سانپ کے من کو پکڑوں

ہے تصور میں تری چشم کے وحشت کا یہ جوش
گر کروں دشت میں یک جست ہرن کو پکڑوں

ہمصفیرو کہو کیا کیجیے کہ آیا صیاد
لیکے پھر دام کہ مرغانِ چمن کو پکڑوں

گر کے دل چاہِ زنخداں میں یہ کہتا ہے کہ میں
کیونکہ اُس زلفِ معنبر کی رسن کو پکڑوں

کون ہے چور مرے دل کو چرایا کس نے
خالِ رخ کو ترے یا خالِ ذقن کو پکڑوں

تھا کیا فخرِ جہاں کا وہ ظفر ہوں کہ جو اور
پکڑیں قدموں کو تو میں اُن کے چرن کو پکڑوں

عجب اعجاز ہے بلبل ہوا میں　　چراغِ گل نہ دیکھا گل ہوا میں

مطلع ثانی

جو مشک افشاں ہو وہ کاکل ہوا میں　　نہ آئے نکہتِ سنبل ہوا میں !!
اُڑے گر خاک دیوانہ کی تیرے　　اُٹھے زنجیر کا سا غل ہوا میں
ہوا میں آ کے کس نے زہر اگلا　　کہ سمیت ہوئی بالکل ہوا میں
ترے کوچہ تلک پہونچی ہی آخر　　ہماری خاک مل جل کر ہوا میں
دل سرد آہ سے اس طرح پگھلا　　کہ جیسے برف جائے گھل ہوا میں
ہوا ہے مے سے برہم کیونکہ ساقی　　پییں خوش ہوکے جام مل ہوا میں
رولائے ہر بر نگ شیشہ ہم کو　　نہ تجھ بن خندۂ قلقل ہوا میں

ظفر ہے گلشنِ عالم معطر
گئے ہیں بال کس کے کھل ہوا میں

مے پرستِ عشق ہوں روزِ ازل سے مست ہوں
کہتی ہے مجھسے حذر کر اُس کی چشمِ خانہ جنگ
دیکھ اب میں نشۂ جنگ و جدل سے مست ہوں
اے اگر آبِ بقا بھی مجھ کو جانوں آبِ تیغ!
اس قدر جامِ تمنا ہے اجل سے مست ہوں
بوسۂ خالِ لبِ جاناں کی کیفیت نہ پوچھ
میں قرون مے سے اس افیون کے عمل سے مست ہوں
دل میں ہے میرے جو کیفیت شرابِ عشق کی!
میں بھی اپنے شیشۂ زیرِ بغل سے مست ہوں!
فاقہ مستی ہے مری دولت کی مستی سے مست ہوں
میں فقیری میں سوا اہلِ دول سے مست ہوں
ڈھونڈھتے صحبت صوفیوں کی وہ جو ہو صوفی منش
مجھ کو تو خوش آتے ہیں مستوں کے جلسے مست ہوں
پہونچی ہے اُس کے لبِ شیریں سے کیفیت مجھے
کوئی تم ہوگا مست مے سے میں عسل سے مست ہوں
ہے سخن میں میرے کیفیت عجب ہی ذوق سو
اے ظفر ہو جاتا میں اپنی غزل سے مست ہوں

دیگر

دن کا میری بیقراری مجھسے کچھ پوچھو نہیں
شب کی میری آہ و زاری مجھسے کچھ پوچھو نہیں
بارِ غم سے مجھ پہ روزِ ہجر میں ایک اک گھڑی
کیا کہوں ہے کیسی بھاری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

شام سے تا صبح جو بستر پہ تم بن رات کو
میں نے کی اختر شماری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کیا کہوں جو کچھ تھا کہنا میں گیا بالکل وہ بھول
دیکھ کر صورت تمہاری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

خاکساری اپنی گئی بر باد در پہ آپ کے
میں نے کی جو خاکساری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

آتا ہے رونا زیادہ پوچھنے سے اور بھی
ماجرائے اشکباری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

خنجر مژگان و تیر ناز و تیغ غمزہ سے
دل پہ جو ہیں زخم کاری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

میری صورت ہی سے بس معلوم کر لو ہمدمو
تم حقیقت میری ساری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

اے ظفر جو حال ہے میرا کروں گا گر بیاں
ہو گی ان کو شرمساری مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

دیگر

ہم مریض ہجر ہیں ہم میں رہا دم کچھ نہیں
جز شراب وصل وارد جانتے ہم کچھ نہیں

جبکہ ہم جائیں گے وہاں کیا ہم سے پوچھا جائے گا
غم اگر ہے تو یہی ہے اور تو غم کچھ نہیں

ہے یہ زیبا زلف ہی کے واسطے تیرے لئے
اپنے آشفتہ سے ہونا اتنا برہم کچھ نہیں

صاف کھل جائے گا چشموں میں میرا راز دل

دیکھ اتنا پھوٹ بہنا چشمِ پرنم کچھ نہیں

خوب جو دیکھا تو شمشیرِ صفاہانی میں بھی
روبرو اُس ابروِ خمدار کے خم کچھ نہیں

مشک و الماس و نمک بھر دے ملا کر چارہ گر
واسطے زخمِ جگر کے میرے مرہم کچھ نہیں

خوب ہے وہ اک جہاں جس کو کہے خوب اے ظفر
کچھ نہیں وہ جس کو کہہ دے ایک عالم کچھ نہیں

ہر رات سبھی اپنے آرام کو سوتے ہیں
ہم جاگتے ہیں تم بن گو شام کو سوتے ہیں

کیا عشق کے صحرا میں بے خوف و خطر عاشق
گم کر کے رہ کفر و اسلام کو سوتے ہیں

ہر شب ہمیں فرقت میں روتے ہی گذرتی ہے
نے صبح کو سوتے ہیں نے شام کو سوتے ہیں

کر لیں ترا نظارہ گر خواب میں تو آئے
ہم شب کو جو سوتے ہیں اس کام کو سوتے ہیں

مہکے ہوئے اٹھتے ہے خوشبو میں سحر جس شب
ہم لے کے بغل میں اُس گلفام کو سوتے ہیں

بے ہوش اُن آنکھوں کے ہم یوں ہیں تصور میں!
گویا کہ ظفر پی کر دو جام کو سوتے ہیں

خدا کا گھر ہے اے زاہد بتوں کے آستانوں میں
جگہ سجدہ کی ہے اُن کے کفِ پا کے نشانوں میں

مطلع ثانی

رہی صحبت کہاں بوڑھوں میں اے دل اور جوانوں میں
کہیں بھی تیر دیکھے ٹھہرتے سوتی کمانوں میں

نگاہ نیمچہ تم اور بھی اک نیم غمزہ کا
ابھی کچھ جان باقی ہے تمہارے نیم جانوں میں

تری زلفوں نے مثل مار شاید زہر اوگلا ہے !!
نہیں سبزے ہیں یہ کاہ ملاحت تیرے گالوں میں

خرابی ہوگی دیکھو گر کریگا اشک غمازی
کہ ہے اے حضرت دل یہ تمہارے رازداروں میں

کروں نالے غم فرقت میں گر اس مہر طلعت کے
تو برپا شور ہو یکبار ساتوں آسمانوں میں !!

میسر بوسۂ لب کی تری ہووے جو یا قوتی
ابھی تاب و تواں آجائے تیرے ناتوانوں میں

اگر لائیں زباں پر قصہ جانسوز کو میرے !
تو پڑجائیں پھپھولے قصہ خوانوں کی زبانوں میں !

ظفر جو کچھ ہے منظور خدا معلوم ہے کسکو
نہیں ہے عقل کو کچھ دخل اس کے کارخانوں میں

دیگر

بستے تھے وہ جو لوگ یہاں کوئی بھی نہیں !!
خالی پڑے ہیں اُن کے مکاں کوئی بھی نہیں

دلسوز غیر سوز نہاں کوئی بھی نہیں

ھمدم سوائے آہ و فغاں کوئی بھی نہیں

سن جائے میرا حال ہیں سب مجھ سے غمگسار !
پر کرتا اُن سے جا کے بیاں کوئی بھی نہیں !

ھیں یوں تو گلعذار ہزاروں جہان میں
پر تجھ سا شوخ غنچہ وہاں کوئی بھی نہیں

معلوم رفتگان عدم کا ہو کیونکے حال !
آیا وہاں سے پھر کے جہاں کوئی بھی نہیں !

دے یا نہ دے کبھی وہ مرے دل کی خبر مجھے
قاصد سوائے اشک رواں کوئی بھی نہیں

دل میں مکیں ہو کیوں نہ غم یار آن کر !!
اس سے تو بہتر اور مکاں کوئی بھی نہیں

موجود ہیں وہ چھوڑ گئے جو کہ نام نیک
باقی اگرچہ اُن کا نشاں کوئی بھی نہیں

میں دل کو جانتا تھا بڑا دوست عشق میں !
دیکھا تو ایسا دشمن جاں کوئی بھی نہیں

شکووں سے یوں تو دل ہے لبالب مگر کبھی
آتا ہمارے تا بزباں کوئی بھی نہیں !!

لوں کس کو اپنے ساتھ رفاقت میں اے ظفر
صبر و شکیب و تاب و تواں کوئی بھی نہیں

لب و دہن کے نہ دے بوسے وہ اگر دو تین
بلا سے گالیاں دے منہ سے سیمبر دو تین !!

جواب خط کا نہیں وہاں سے ایک بھی لاتا

روانہ کرتے ہیں ہم روز نامہ بر دو تین !

نہ ہو تسلی دلِ میرے اک جراحت سے !
نہ جب تلک کہ ہوں زخم اور کارگر دو تین

زیادہ مجھ سے نہیں قیس و وامق و فرہاد
اگرچہ عشق میں ہیں یہ بھی نامور دو تین !

نئے نئے اٹھیں دو تین بار فتنے روز ! !
جہاں میں تجھ سے جو ہوں اور فتنہ گر دو تین

وہ سن کے نام میرا کچھ نہ بولے خیر ہوئی
کہ واں تھے اور اسی نام کے بشر دو تین

چلے جہاں سے مرے ساتھ رنج و درد و الم
ہیں اس سفر میں کبھی میرے یہ ہمسفر دو تین

جگر سے میرے اگر ایک خارِ غم نکلا
چبھو دیے وہیں حسرت نے نیشتر دو تین

وہ کہتے تھے کہ ہم اک دو گھڑی میں آتے ہیں
نہ آئے اے ظفر اور دن گئے دو تین !

بلائیں اپنی قسمت کیا نکو کاروں کی قسمت میں !
خدا جانے کہ ہے کیا ہم گنہ گاروں کی قسمت میں

نہ پایا بوسہ اس لب کا مریضانِ محبت نے !
نہ تھا یہ شربتِ عناب بیماروں کی قسمت میں

چلے میری طرف سے خط جو میرا مجھ سے لکھوا کر
لکھا ہے کچھ بُرا میرے طرف داروں کی قسمت میں

ہمیں قسمت پر اپنے ناز ہے اس عشق بازی میں !

کہ یہ کاریاقت ہم سے ناکاروں کی قسمت میں

سرِ خارِ صحرا آبلہ ہے پاؤں کا میرے !!
عجب مندیل رکھنی سر پہ تھی خاروں کی قسمت میں

پھنسیں کیوں آ کے دام بلائے زلف میں تیرے
رہائی ہو اگر تیرے گرفتاروں کی قسمت میں

ظفر وہ جنس ناکارہ ہوں میں لیں مول وہ مجھ کو
کہ سر تا پا زباں ہو جن خریداروں کی قسمت میں

دیگر

منہ کیا جو رازِ اُلفت غیر الضمیر بتا دیں !
یا ہم کو تم بتا دو یا تم کو ہم بتا دیں !

راحت ہمارے حق میں ہے یہ غم محبت
ہم کس طرح سے ناصح راحت کو غم بتا دیں

جو کچھ جواب خط میں اس نے لکھا ہے ہم کو
قاصد کے رشکل ہی سے ہم یک قلم بتا دیں

مجنِ کمر کی اپنے پوچھو اُن سے تو حقیقت
جو حال رفتگانِ ملک عدم بتا دیں !

کہتا ہے تو کہ میں نے تم پر کیے ستم کیا
جو جو کیے ہیں تو نے ظلم و ستم بتا دیں !

تم شب کو لاکھ جاؤ چوری سے گھر کسی کے !
ہم دیکھ کر تمہارے نقش قدم بتا دیں !

آتے ہیں جام مے میں کیا کیا نظر تماشے !
کیوں کر ظفر نہ اُس کو ہم جام جم بتا دیں

دیگر

جب منعکس ہو وہ رُخ روشن شراب میں
ہو غرق کیا شراب میں اور آفتاب میں

مطلع ثانی

آنسو نہ سمجھو یہ مری چشم پر آب میں !
اعجاز سے ہے عشق کے دریا حباب میں

مطلع ثانی

اللہ ری شرم آئے جو وہ شب کو خواب میں
پنہاں رکھا حجاب سے منہ کو نقاب میں

خوشبو سے جو پسینہ میں اے گلبدن ترے
نے وہ گلاب میں ہے نہ عطر گلاب میں

دل میرا ایک کیا کہ ہزاروں ہی اپنے دل
باندھے کمند کاکل پر پیچ تاب میں

میرے دل شکستہ میں آکر رہے وہ کیا
رہتا ہے کون ایسے مکان خراب میں

یوں آنسوؤں کے ساتھ پیا ہم نے خون دل
جیسے ملا کے پیتے ہیں پانی شراب میں

منت کش اجل نہ ہوئے ہم کہ ہو گیا
کام اپنا تیری ایک نگاہ عتاب میں

اُس بے وفا کو دو نہ دل اپنا تم اے ظفر
ڈالو نہ اپنی جان کو دیکھو عذاب میں

ہم کہیں اے نگار رہتے ہیں
لیک تجھ پر نثار رہتے ہیں !

ہم نہ شعلہ ہیں نے شرر ہیں نہ برق
پر سدا بیقرار رہتے ہیں !

نہیں اُس گل کو کچھ اثر ہوتا !
نالہ کش ہم ہزار رہتے ہیں !

صورتِ نقشِ پا گلی میں تری — ہم بھی اک خاکسار رہتے ہیں
شمع ساں سوزِ دل نہیں بجھتا — گرچہ ہم اشکبار رہتے ہیں

اپنے دامن میں دولت اشکوں کی!
گوہرِ ابر دار رہتے ہیں!

ایک رنجش ہمیں سے ہے ورنہ — آپ کے سب سے پیار رہتے ہیں
چشمِ مست اُس کی لے ہی جائے ہے ہوش — گرچہ ہم ہوشیار رہتے ہیں

جب سے پی ہے شرابِ عشق ظفر!
ہم نہیں بے خمار رہتے ہیں

دیگر

کہی وہ نہ اُن سے جو تھی بات جی میں — رہی جی کی وقتِ ملاقات جی میں!
لگایا نہ ہاتھ اُن کو تنہائی میں بھی — تمنا رہی اپنی ہیہات جی میں!
دکھاتے ہیں جب اپنی ہم اشکباری — خجل ہوتی کیا کیا ہے برسات جی میں
سمجھتے کسی کو نہیں مال و دولت — یہ سمجھے ہے کیا اپنے بد ذات جی میں
بچھائی ہے وہاں ہم نے شطرنج ایسی — حریف اپنے پہلے ہی ہوں مات جی میں
تصور میں گیسو و عارض کے تیرے — کہوں کیا جو آتی ہے دن رات جی میں

دل ایسے نکیلے کو کیوں کر نہ دیجے!
کہ جس کی چھبے اے ظفر گات جی میں

دیگر

سب سلامی ہوں اگر اہلِ سخن تھوڑے ہیں — شہ کے اوصاف بہت اور وہیں تھوڑے ہیں
جگرِ عابدِ مظلوم پہ ہیں داغ بہت — اور یہ انجمِ گردوں کہیں تھوڑے ہیں
غمِ شبیر میں دیکھو یہ بڑی دولت ہے — آگے اک اشک کے سو در عدن تھوڑے ہیں

قتل میں شہ کے توقف جو کوئی دم ہو تو ہو   سنے کچھ اور ابھی رنج و محن تھوڑے ہیں
جسم پر سرورِ دیں کے سرِ میدانِ قتال   نیزۂ و تیر بہت ہوئے بدن تھوڑے ہیں
تنِ زخمی میں جو پوشیدہ تہِ گرد و غبار !
تو شہیدوں کے لئے کیا یہ کفن تھوڑے ہیں

قطعہ

کہتے تھے سرورِ دیں غم نہیں گر ساتھ مرے   اقربا کم ہیں رفیقانِ وطن تھوڑے ہیں
لشکرِ شام کو ایک ایک دلاور ہے بہت   گرچہ ظاہر میں یہ ہفتاد و دو تن تھوڑے ہیں
اے ظفر شہ کی سلامی کو برائے گلگشت
گر ملیں خلد میں کتنے ہی چمن تھوڑے ہیں

غیر نے آج تمہیں رات سحر کی گھر میں   نہ کھلی بات کسی پر رہی گھر کی گھر میں
رات بھر ہم رہے تیرے پسِ دیوار پڑے   کسی جا سوئے بھی یہ نہ خبر کی گھر میں
دل جلوں کو نہیں درکار چراغِ خانہ   روشنی تھوڑی ہے کیا داغِ جگر کے گھر میں
اشکِ گلگوں سے نظر آئے اُدھر کیا کیا گل   چشمِ پر خوں سے جدھر ہم نے نظر کی گھر میں
شمع کی طرح سے صاحب نظرو سیر دیکھو   سیر کیا کیا نہیں بے رنجِ سفر کی گھر میں
مدعی وہ جو چھپے بیٹھے تھے بھاگے چھپ کر
آمد آمد جو ہوئی رات ظفر کی گھر میں

گنہ سے ہم نہیں خالی گناہگار تو ہیں   پر اُس کی لطف و کرم کے امیدوار تو ہیں
بلا سے جان گئی اپنی عشق میں لیکن   وہ ہم کو جان گئے اپنا جاں نثار تو ہیں
زیادہ بھڑکے گی کیا اور دل میں آتشِ عشق   نکلتے ہر بنِ مو سے مرے شرار تو ہیں
وفورِ اشک سے گو سوزِ دل بجھے نہ بجھے   پر اپنی آنکھوں سے ہم رہتے اشکبار تو ہیں

بلا سے گر جگر و دل میں داغ داغ اپنے ہمیشہ دیکھتے ہم سیر لالہ زار تو ہیں
لگائے دیکھیے یارب وہ اور کتنے تیر کہ دل میں ہو گئے روزن کئی ہزار تو ہیں
نہ برق ہیں نہ کوئی شعلہ نے شرر ہیں ہم مگر تپش سے محبت کے بیقرار ہیں ہم
اگرچہ کیسے ہی عیار و پر فریب ہیں وہ مگر ہے یہ بھی غنیمت بلا سے یار تو ہیں

شراب پی کہیں یا رات بھر کہیں جاگے !
کچھ آنکھیں اُن کی ظفر آج پُر خمار تو ہیں !

دیگر

قاصدا خط جو یار کو خلوت میں لکھوں !!
کس طرح راز نہاں بیٹھ کے خلقت میں لکھوں

مطلع ثانی

کبھی نا ایک حرف نہ میں تیری شکایت میں لکھوں جو لکھوں سو وہ ترے شکر عنایت میں لکھوں
یہ جو پڑھتے ہیں سیہ کار سحر اُٹھ کے نماز اس کو عادت میں لکھوں میں نہ عبادت میں لکھوں
شمع کی طرح جل اُٹھے مرے خامہ کی زباں اگر اک حرف ترے وصف شرارت میں لکھوں
وہ جو مطلب ہے نہ لکھوں اُسے میں کیا ممکن نامہ بر یار کو نامہ کسی حالت میں لکھوں
وہ سمجھ لے اُسے اور غیر نہ سمجھے ہرگز ہمنشیں خط اُسے کچھ ایسی عبارت میں لکھوں
ہے کہاں عیش نصیب اُس کو جو تحریر کروں ہاں مگر رنج لکھا ہے مری قسمت میں لکھوں
صفحۂ چرخ پہ ہے جائے کہاں جو غم دل قلم آہ سے اپنے شب فرقت میں لکھوں

اے ظفر کاغذ ابری پہ لکھوں میں اُس کو !
ماجرا گریہ کا اپنے جو مصیبت میں لکھوں

دیگر

کہیے اپنا کسے اپنا تو کوئی ہے ہی نہیں — جو ہے بیگانہ ہمارا تو کوئی ہے ہی نہیں
وائے قسمت جسے ہم جانتے تھے دوست اپنا — جیسا دشمن ہے وہ ایسا تو کوئی ہے ہی نہیں
جس نے اس عالم تصویر کو دیکھا یہ کہا — ایسا تصویر سراپا تو کوئی ہے ہی نہیں
تیرے دانتوں کے مقابل میں کوئی گوہر کیا — سمجھے کیا لال کہ ہیرا تو کوئی ہے ہی نہیں
سر کے بالوں میں ترے جیسے کہ چمکی مانگ تری — ایسا ظلمات کا رستا تو کوئی ہے ہی نہیں
کس تمنا پہ جئے عاشق مایوس ترا — دل میں اب اس کے تمنا تو کوئی ہے ہی نہیں
ہو نہ ہو زلف کے کوچہ میں دل سودائی — اور اب اس کا ٹھکانا تو کوئی ہے ہی نہیں
سرو قد کون ہو رعنائی میں ہمسر ترا — تجھ سا یہاں دلبر رعنا تو کوئی ہے ہی نہیں

قدرت حق کا تماشا ہے ظفر جیسے بشر
ایسا دنیا میں تماشا تو کوئی ہے ہی نہیں

بتوں نے نہ کیں آشنائی کی باتیں — کہیں اور ساری خدائی کی باتیں

مطلع ثانی

نہیں تم کو لازم برائی کی باتیں — بھلوں کو ہے زیبا بھلائی کی باتیں
غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت — کرو منہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں
لڑاتے ہو محفل میں غیروں سے آنکھیں — صریحاً ہیں یہ تو لڑائی کی باتیں !
جو کرتے ہو تم دلربائی کا دعویٰ — کچھ آتی بھی ہیں دلربائی کی باتیں
نہیں بات کوئی بھی تجھ میں وفا کی — ستمگر ہیں سب بے وفائی کی باتیں
اگر بوسہ مانگو تو وہ منہ بنا کر — کہے ہے نہ کر بے حیائی کی باتیں
شب وصل بھی مجھ کو روتے ہی گزری — جو یاد آئیں روز جدائی کی باتیں

اگر سید جی ہوتے مرے بخت اژدوں — تو کیوں کرتے وہ کج ادائی کی باتیں
ظفر دل میں بستی ہے رندی و مستی
نہ منہ سے بنا پارسائی کی باتیں!

دیگر

رخ گلرنگ کو جب میں گلِ رنگیں باندھوں — کیوں نہ دانتوں کو نہ پھر غنچۂ نسریں باندھوں
گر کہوں اُس کی جبیں کو قمر ابرو کو ہلال — پھر تو جھومر کو بھی خوشۂ پرویں باندھوں
لب و دنداں کو کہوں اُس کے بدخشان و عدن — زلف و کاکل کو سراسر ختن و چیں باندھوں
نگہِ ناز کو ٹھہراؤں جو اُس کی شہباز — اُس کی مژگاں کو نہ کیوں چنگلِ شاہیں باندھوں
باندھوں مژگانِ ستمگار کو میں نیزہ و تیر — خط و دنبالہ کو بندوق و قرابیں باندھوں
زلف کو لیلے و عارض کو لکھوں میں نمدار — اور اُس لعلِ شکر بار کو شیریں باندھوں
روئے روشن کو کہوں اُس کے اگر سورۂ نور — اُس کے دانتوں کو بھی میں سورۂ یٰسیں باندھوں
چشمِ میگوں کو اگر جام سے دوں میں تشبیہ — صاف گردن کو صراحی بلوریں باندھوں
کہوں گر غمزۂ سفاک کو غارتگر ہوش — چشم کافر کو نہ کیوں راہزنِ دیں باندھوں
قدِ رعنا کو اگر سرو سے دوں میں نسبت — دستِ نازک کو بھی شاخِ گلِ نسریں باندھوں
ناز و انداز کی اُس کے نہ ادا ہو توصیف
اے ظفر گرچہ میں کتنے ہی مضامیں باندھوں

دیگر

کہیں سے جا پڑے اُڑ کر جو برگِ گل سمندر میں — تو شرطِ عشق یہ ہے ساتھ ہو بلبل سمندر میں

مطلع ثانی

اگر ہو عکس افگن یار کی کاکل سمندر میں — تو پیدا جائے موجِ آب سے سنبل سمندر میں

پڑے عالم میں جس دم شور دریائے سرشک اپنا — تو اُس طوفان کے ڈر سے ہو نہ کیونکر غل سمندر میں

دکھاؤں گا جو اپنے دیدۂ پر آب کا عالم — تو گردابوں کی بھی جائیں گی آنکھیں کھل سمندر میں

گذر جانا سمجھے سہل دریائے محبت سے — اگر باندھے کوئی تدبیر سے سو پل سمندر میں

دکھائے آبداری تو جو اپنی دُر دنداں کی — تو غرق آب خجلت ہو دیں موتی کل سمندر میں

علیؑ وہ ہے ظفر موڑے نہ ہرگز باگ میداں سے
سمندر ہو جو حائل ڈالدے دلدل سمندر میں

کان سے گوہر اوروں نے دو چار نکالے اچھے ہیں
چشم سے لاکھوں ہم نے دُر شہوار نکالے اچھے ہیں

گاہ جلانا گاہ رُلانا یہ تو تم نے میرے ساتھ
ڈھنگ نکالے خوب ہیں اطوار نکالے اچھے ہیں

حق میں ہمارے اُس نے کہی ہیں باتیں لاکھوں بار بُری !
منہ سے کلام اُس شوخ نے گر یکبار نکالے اچھے ہیں

بات تری کب خالی ہے یا جھڑکی ہے یا گالی ہے
پیار لیے تو نے مجھ سے تو پیار نکالے اچھے ہیں

خار رنج و غم کی خلش سے برسوں ہم بے چین رہے !!
جب تو نے کلیجے سے یہ خار نکالے اچھے ہیں!

زلف نے ظالم مار نکالا دل کو تو کیا سودائی تھا
اس کافر نے اور ہزاروں مار نکالے اچھے ہیں

گرچہ زمیں یہ خوب نہ تھی پر اپنی زور طبیعت سے!
کیا کیا اس میں تو نے ظفر اشعار نکالے اچھے ہیں

دیگر

ہمیں وہ جو کہے خط میں دم تحریر ہم لکھیں!
یہ اپنی کیوں کہ اپنے ہاتھ سے تقصیر ہم لکھیں

شکایت لکھیں اے قاصد جو اُنکی سرد مہری کی
تو لازم ہے کہ لے کر کاغذ کشمیر ہم لکھیں

کہیں خنجر نگہ کو تیرے اور شمشیر ابرو کو
خط و نبالہ کو نیزہ مژہ کو تیر ہم لکھیں

ترے روئے مخطط کا تصور اُس سے بہتر ہے
پڑھیں قرآں اگر ہم اور اور تفسیر ہم لکھیں

غنی ہیں آگیا ہاتھ اپنے نسخہ خاکساری کا
کہیں سے ڈھونڈھ کر کیوں نسخۂ اکسیر ہم لکھیں

یہ اپنی بن گئی صورت کہ پہچانی نہیں جاتی
نہ جب تک نام بھی اپنا سر تصویر ہم لکھیں

کہاں تک صفحۂ گردوں پہ حال دل ظفر اپنا
ہمیشہ لے کے کلک آہ بے تاثیر ہم لکھیں

دیگر

کرو اے بتو دلربائی کی باتیں　　نکالو نہ ساری خدائی کی باتیں
نہیں اعتبار آشنائی کی باتیں　　کریں لاکھ وہ آشنائی کی باتیں
رہے ایسے ہمدرد اپنے کہاں ہیں　　کہیں جنسے درد جدائی کی باتیں
تمہارے تو دل میں کدورت بھری ہے　　کرو تم نہ ظاہر صفائی کی باتیں
قفس میں ہے کیا فائدہ شور و غل سے　　کرو کچھ اسیرو رہائی کی باتیں!!

جب آئی ہمیں یاد وہ چشم میگوں !
گئے بھول سب پارسائی کی باتیں

کہا اس نے جب لے لیا ہم نے بوسہ
مری جڑ سے ہیں یہ بیہیائی کی باتیں !

لڑا تو نہ محفل میں غیروں سے آ کر تجھیں
یہ اے جنگجو ہیں لڑائی کی باتیں !!

ظفر کیا زمانہ بُرا آ گیا ہے
جہاں دیکھو ہیں واں بُرائی کی باتیں

دیگر

ہم سے کب اُس بے وفا نے بے وفائی کی نہیں
لیکن اُس سے ترک ہم نے آشنائی کی نہیں

ہوئے کیا بیمار فرقت کا طبیبوں سے علاج
وصل بن کوئی دوا درد جدائی کی نہیں

تو اگر کچھ پوچھتا ہے مجھ سے میرے دل کی پوچھ
اے صنم مجھ کو خبر ساری خدائی کی نہیں

وہ بھلا کرتے ہیں کہتے ہیں بجا مجھ کو بُرا
کی بُرائی میں نے یہ میں نے بُرا کی نہیں

بیٹھے ہیں تنہا لگا کر دست و پا میں وہ حنا
اس سے بہتر جائے کوئی ہاتھا پائی کی نہیں

چھوٹے قسمت ہی سے دل دام بلائے زلف سے
ورنہ ظاہر کچھ توقع تو رہائی کی نہیں !

لے گیا وہ دلربا دل کیونکہ میں حیران ہوں

بات آئی کوئی اُس کو دل رُبائی کی نہیں !

دیکھیے کیا ہو مکدر ہم سے ہے آئینہ رو
اور کوئی صورت نظر آئی صفائی کی نہیں

عشق ہی رہبر ہے اپنا عشق ہی ہے رہنما
اے ظفر حاجت کسی کی رہنمائی کی نہیں

اسی لیے تو ہمیں جستجو کسو کی نہیں !!
کہ ہم کو ملنے کی اب آرزو کسو کی نہیں

کہیں گے دل ہی میں جو کچھ ہمارے دل میں ہے
زباں سے کہنے کے ہم روبرو کسو کے نہیں

جھکا یا جس نے ہے سر اپنا زیر تیغ صنم
وہ ہوتا آگے کبھی سرفرو کسو کے نہیں

ہمارے چاک جگر کا عبث ہے فکر رفو
یہ ہوتا ہاتھ سے ہرگز رفو کسو کے نہیں

اُمید آنے کی اُس کے ہو کس طرح ہم کو
کہ آتا خواب میں وہ ماہرو کسو کے نہیں

پھنسا یا زلف میں کس طرح اُسنے تجھ کو دلا
کہ آیا پیچ میں اس طرح تو کسو کے نہیں

گلہ ظفر نکرو آن سے آشنائی کا !
کہ آشنا ہوئے وہ تو کبھو کسو کے نہیں

دیگر

رہتا ہمیشہ دل سے تمہارے حضور میں !

باطن میں میں قریب ہوں ظاہر میں دور ہوں
ناصح تجھے شعور سے ہے میرے کیا غرض
میں صاحب شعور ہوں یا بے شعور ہوں
اے مست ناز گر کے نظر سے ترے ہوا
میں شیشۂ شراب کے مانند چور ہوں
دل چاہتا ہے تم کو اسے دیجیے سزا
میرا قصور کچھ نہیں میں بے قصور ہوں
مرتا پری رخوں پہ ہوں میں رندے پرست
زاہد نہیں ہوں میں جو طلب گار حور ہوں
کرنے لگے زیادہ تو وا نل وہ اور بھی
میں نے کہا جو اُن سے کہ میں ناصبور ہوں
دن کو کہ رات کو مگر اک بار اے ظفر
ہو آتا اُس کے کوچیں میں بھی ضرور ہوں

دیگر

ترے مہر و وفا اے ماہ طلعت آزماتے ہیں
ہم اپنے آج طالع اور قسمت آزماتے ہیں

مطلع ثانی

ستمگر ہم نہیں کچھ تیری الفت آزماتے ہیں
دل اپنا دیکے تجھ کو اپنی قسمت آزماتے ہیں
نہیں کھلتا معمّا اُس دہانِ تنگ کا ہم سے
اگرچہ ہم بہت سے اب طبیعت آزماتے ہیں

جو دعوےٰ عشق کا ہے ملبوس کو سامنے آئے
کہ اپنی آج وہ تیغِ محبت آزماتے ھیں!

دلا تم جانتے ہو جو ہیں شیوے دلربا ؤنکے
انھیں کیوں دیدہ و دانستہ حضرت آزماتے ہیں

کرے زور آزمائی بیستون پر کوہکن اپنی
سر کوہِ الم ہم اپنی طاقت آزماتے ھیں

چلے ہم آج چل تو بھی ہمارے ساتھ دنیا سے
تری ہم اے غمِ جاناں رفاقت آزماتے ہیں

عجب نادان ہیں لاکھوں بار کرکے آزمائش ہم
مروت پھر تری اے بے مروت آزماتے ہیں

دمِ عیش و طرب اغیار بھی ہیں یار بنجاتے
ظفر یاروں کو تو وقتِ مصیبت آزماتے ہیں

دل دیکھے ہوا اُن کو گنہگار تو میں ہوں!
دیں کس کو سزا وہ کہ سزاوار تو میں ہوں

پیاسا مرے لہو کا جو ہے کوئی تو وہ ہے
ہوں اُس کا اگر تشنۂ دیدار تو میں ہوں

ہے کون کہ ایذا ہو جسے اپنی گوارہ!
ہوں اپنے اگر دریئے آزار تو میں ہوں

کہتا ہے مجھے عشق کہ تو غم سے ہراساں
کس واسطے ہے تیرا مددگار تو میں ہوں

آنکھوں میں حریفوں کے کھٹکتا ہوں ہمیشہ
سوکھا ہوا اگرچہ روشِ خار تو میں ہوں

بوسہ ترے لب کا مرض غم کی دوا ہے!
کیوں اور کو دیتا ہے کہ بیمار تو میں ہوں

ناصح مجھے کیوں عشق سے مانع ہے اُسے کیا
ہوں رنج و مصیبت میں گرفتار تو میں ہوں

جی چاہتا ہے تجھ پہ فدا ہونے کو میرا!
مرضی تری ہووے اگر اے یار تو میں ہوں

دوں جان تلک بیچ کے مول اے ظفر اس کو
ہوں جنس محبت کا خریدار تو میں ہوں!

کہاں ہے بوسۂ لب طلبگاروں کی قسمت میں
نہیں یہ شربتِ عناب بیماروں کی قسمت میں

نمک تھوڑا سا اے کانِ ملاحت بھیک بھر دے
اگر مرہم نہیں تیرے دل افگاروں کی قسمت میں

اُڑاتے خاک پھرتے کیوں صبا کی طرح سے سر پر
اگر آرام ہوتا تیرے آوارہ وں کی قسمت میں

خطا کی اپنی تا بت چھیڑ کر اُس زلف مشکیں کو
خدا جانے کہ ہے کیا ہم خطاواروں کی قسمت میں

وہی لیتے ہیں سودا مول بازارِ محبت میں!
نہیں ہے سود مطلق جن خریداروں کی قسمت میں

نہیں ہے طائرِ تصویر آسا دامِ حیرت سے
کسی صورت رہائی ہم گرفتاروں کی قسمت میں

ظفر اور وامق و فرہاد و مجنوں کیوں نہوں نامی!!
لکھی تھی عشق کی دولت انھیں چاروں کی قسمت میں

دیگر

ہم نے کیں ایک دم سے دو باتیں — تو سنیں اس نے ہم سے دو باتیں!
تونے اے پُرجفا نہ کیں ہم سے — کبھی لطف و کرم سے دو باتیں
اے خدا ایک بات ہو ایسی — ہم سے ہوں اُس صنم سے دو باتیں
پھر کے آتے جو وہ تو کرتے ہم — رفتگانِ عدم سے دو باتیں
چل سکی جب نہ وہاں زباں اپنی — کیں زبانِ قلم سے دو باتیں!
بعد اپنے نہ ہوگی مہر و وفا — ہیں یہ اپنے ہی دم سے دو باتیں
آپ ڈوبی مجھے بھی لے ڈوبی — ہوئیں یہ چشمِ نم سے دو باتیں!
کبھی اُس سے وفا سے ہوتی ہیں — لاکھ قول و قسم سے دو باتیں

اے ظفر کچھ ہی اس میں ہو لیکن!
کیجیے اُس پُرستم سے دو باتیں!!

دیگر

ٹکڑے نہیں جگر کے ہیں اشکوں کے تار میں — یہ لعل موتیوں کے پروے ہیں ہار میں
قطرے نہیں پسینے کے ہیں زلفِ یار میں — دُرّانی آگئے ہیں یہ ملکِ تتار میں
سرمہ نہیں لگا ہوا مژگانِ یار پر — ہے زنگ سا ہوا خنجر کی دھار میں
ساقی شتاب دے مجھے تو بھر کے جام مے — بیٹھا ہوں بے حواس نشے کے اتار میں
ہم حسنِ گندمی پہ ترے ہو کے شیفتہ — کیا کیا ذلیل و خوار ہیں قربِ جوار میں
بعد از فنا بھی کم نہ ہوئی سوزشِ جگر — گرمی ہے اب تلک مرے خاکِ مزار میں
یہ آئینہ بھی رخِ لطف سے کے ہو کہاں روئے تابناک — ہے چاند سا چھپا ہوا ابرِ بہار میں!
محفلِ عنبار اُٹھ کے جو تیری گلی سے جائے — طاقت کہاں ہے اتنی ترے خاکسار میں

اُس رشکِ گل کو اب تو دیا ہم نے دل ظفر

کہدیں گے ہم زباں سے یہ سو میں ہزار میں

رازِ نہاں کھُل گیا محفل کے بیچ میں
خط کھُلا جو رکھ دیا قاصد نے لاکر بیچ میں

یار کے روئے کتابی پر نہ سمجھو خطِ سبز
رکھ دیا قرآن کہ ہے طاؤس کا پر بیچ میں

سر کے بالوں میں ہے مانگ اور مانگ میں موتی جھمر
وہ ہے شب وہ کہکشاں وہ اُس کے اختر بیچ میں

اشک و لختِ دل پرو کر یوں بنائے ہم نے ہار
دانۂ یاقوت دو دو ایک گوہر بیچ میں

عکس بینی کو کہے آئینہ میں وہ مستِ ناز
دیکھو کیا دریا کے ہے سدِّ سکندر بیچ میں

دل کو سوزِ عشق میں کیونکر مرے تسکین ہو
چین سے رہتا ہے آتش کے سمندر بیچ میں

اے ظفر وہ ساتھ بھی سوئے تو سوئے اس طرح
رکھ لیا تکیہ کو پہلو کے برابر بیچ میں !

دل اپنا دینا ایسا ہے دل آزاروں کے ہاتھوں میں
کہ دیدے جیسے شیشہ کوئی میخواروں کے ہاتھوں میں

نہیں کھلتی خبر اس بےخبر پر ہیں کھلے پھرتے
مرے اخبار کے پرچے خبر داروں کے ہاتھوں میں

کروں جس وقت میں احوالِ رنج و غم بیاں اپنا
تو ہوں رومال تر اشکوں سے غمخواروں کے ہاتھوں میں

اُٹھا لیں توڑ کر زنجیر زنداں دشت کو سر پہ
جنوں دے زور گر تیرے گرفتاروں کے ہاتھوں میں

مگر جاتے وہ کیونکر چھیڑ کر اس زلفِ مشکیں کو
کہ بوئے مشک آتی تھی خطاداروں کے ہاتھوں میں

اگر اُس سیمبر کے ہاتھ کا لائیں خط میری
کڑے سونے کے ڈلوادوں میں ہرکاروں کے ہاتھوں میں

میرے نزدیک زاہد کم نہیں زنار گردن سے
یہ تسبیح ریائی جھوٹے مکاروں کے ہاتھوں میں

کسی کا قول باور آ گے اُس کا فر کو کیا ممکن
اگر وقت قسم قرآن ہو دیں داروں کے ہاتھوں میں

زیادہ خوشنما ہے سرخی رنگ حنا سے بھی
ظفر خون شہید ناز خونخواروں کے ہاتھوں میں

دیگر

آج تک معلوم یہ مجھ کو نہیں کیا چیز ہوں
کون ہوں کیا شے ہوں میں ناچیز ہوں یا چیز ہوں

لے ہی لے تو گوہر دل کو مرے ہرگز نہ چھوڑ
دیکھ تیرے واسطے کیا خوب لایا چیز ہوں

دل دیا جان دی تجھے دین بھی دیا ایمان بھی
اور کیا دوں کونسی میں اور رکھتا چیز ہوں

ہو گیا دل میرا دولت سے قناعت کی غنی!
جانتا دنیا کو میں کیا مال ہوں کیا چیز ہوں

جنس دل بازار الفت میں کوئی لیتا نہیں
پھیر لے ہے منہ جسے یہ دکھاتا چیز ہوں

دادیہ عالم عجب کوئی تماشا گاہ ہے
ہر جگہ میں دیکھتا یہاں اک تماشا چیز ہوں

اے ظفر کیا پوچھتے ہو کیا بتاؤں آپ کو
خاک ہوں میں خاک ہوں ناکارہ ہوں ناچیز ہوں

دیگر

دل لگانے کی باتیں اور ہی ہیں
جی دکھانے کی باتیں اور ہی ہیں

مطلع ثانی

وہ چھپانے کی باتیں اور ہی ہیں
یہ جتانے کی باتیں اور ہی ہیں

دل کی باتوں کا ہے ٹھکانا کیا
کہ ٹھکانے کی باتیں اور ہی ہیں

[illegible]
[illegible]

تو اگر چاہے آئے یہاں سو بار　　پر بہانے کی باتیں اور ہی ہیں
کیا بجھاؤ گے میری سوزش دل　　کہ بجھانے کی باتیں اور ہی ہیں
آزماتے ہیں وہ وفائیں کسے　　آزمانے کی باتیں اور ہی ہیں
زہر کھاتا ہے بات بات پہ کون　　زہر کھانے کی باتیں اور ہی ہیں
ہم کہاں اور کہاں قفس صیاد　　آب و دانہ کی باتیں اور ہی ہیں
شمع کیا جانے طرز دل سوزی　　دل جلانے کی باتیں اور ہی ہیں
ہم نے کی بڑھ کے تم سے کس دن بات　　شر بڑھانے کی باتیں اور ہی ہیں

ظفر اگلا زمانہ تھا کچھ اور
اس زمانے کی باتیں اور ہی ہیں

ہر ایک سے ہیں تیری اتحاد کی باتیں　　مگر ہمیں سے ہیں بغض و عناد کی باتیں
خدا کے واسطے ان مفسدوں کو گھر سے نکال　　نکالتے ہیں یہ کیا کیا فساد کی باتیں
نہیں ہے معتقد شیخ و برہمن عاشق　　کہ اس کی اور ہی ہیں اعتقاد کی باتیں
نہیں ہے خوب یہ بیداد اے شہ خوباں　　کرشمہ کو چاہیں انصاف و داد کی باتیں
بنائیں باتیں ہزار آ کے حضرت ناصح　　پر ان کی باتیں نہیں اعتماد کی باتیں
گر ان آنکھوں کو منظور ہے ہمارا دل　　تو ہیں یہ عین ہمارے مراد کی باتیں

بھلا دے دل سے ظفر اور تذکرے سارے
وہ یاد رکھ جو ہیں اُس کے یاد کی باتیں

دیگر

سرشک و آہ میں تو تیر دوں تو کس کو دوں
خطاب صاحب تاثیر دوں تو کس کو دوں

نہ نامہ بر ہے نہ ہے مرغ نامہ بر جو آ د

خط اپنا کر کے جو تحریر دوں تو کس کو دوں

نگاہ و ناز ہیں دونوں مرے لئے جلاد
تقاضا یہ ہے کہ شمشیر دوں تو کس کو دوں

نہیں ہے درد سے آگاہ ناصح نافہم
جواب میں جو میں تقریر دوں تو کس کو دوں

گناہگار محبت ہیں دونوں دیدہ و دل
بتاؤ دوں تعزیر دوں تو کس دوں

نظر پڑے اپنی بھی جب رشک ہو تو دیکھنے کو
پھر اپنے یار کی تصویر دوں تو کس کو دوں

نمک میں دونوں برابر ہیں وہ لب نمکیں
ظفر دل اپنا اگر چیر دوں تو کس کو دوں

دیگر

ہم اُن کی گرچہ خاطر داری و دلجوئی کرتے ہیں
ولیکن ہم سے وہ ہر بات پہ بد خوئی کرتے ہیں

شمیم زلف سے تیرے نسیم صبح کے جھونکے
معطر ہر چمن کو باعث خوشبوئی کرتے ہیں

وہ بدگفتار سب اپنے بدی کے پاس سمجھیں گے !
جو بیٹھے اپنے پہلو میں مری بدگوئی کرتے ہیں

نہ میری سوزش دل کو بجھاتے ہیں مرے آنسو
نہ ان کے دامن دل سے کدورت شوئی کرتے ہیں

غرض کیا اُن کو آرائش سے جو قانع ہیں اے منعم
بدل کب شال سے وہ اپنی میلی لوئی کرتے ہیں

تمہارے گیسوؤں کی میں نے کیا تقصیر کی پوچھو
جو مجھ سے راستی پیشہ سے وہ خم روئی کرتے ہیں

ہمارے نیک و بد کو اے ظفر کیا پوچھتا ہے تو !
کہ کار بد ہزاروں اور نکوئی کوئی کرتے ہیں

گئی آہ جگر کہیں کی کہیں — وہاں پہونچی خبر کہیں کی کہیں
میں کہوں بات تو وہ لے جائے — جی میں کچھ سوچ کر کہیں کی کہیں
ہو گا پردہ سے کیا کہ پردہ نشیں — میری پہونچی نظر کہیں کی کہیں
لے گئی بوئے زلف اڑا کے تری — ہائے باد سحر کہیں کی کہیں
میری اور تیری آہ کی اک دھوم — پہونچی اے فتنہ گر کہیں کی کہیں
یہ بگولہ نہیں بھٹکتی ہے — روح مجنوں مگر کہیں کی کہیں
کیا کہوں خط چھپا کے پہونچی گئی — یہ خبر نامہ بر کہیں کی کہیں
سمجھے اپنا ہے وہ گلہ اُن کو — میں نے باتیں اگر کہیں کی کہیں

میری وحشت لیے پھرے ہے مجھے
ان دنوں اے ظفر کہیں کی کہیں

ہم خیال زلف و رُخ میں اپنی حالت کیا کہوں
رات دن رہتی ہے جو ہم پر مصیبت کیا کہیں

تم جو ہم سے صاف ہو تو ہم کہیں کچھ اپنا حال
ہے بھری دل میں تمہارے تو کدورت کیا کہیں

کوئی بھی دلسوز اپنا جب نظر آتا نہ ہو !!
پھر کسی کے سامنے سوز محبت کیا کہیں

تم درازی کو شب ہجراں کے ہو کیا پوچھتے
ہم کہیں رات اُس کو یا روز قیامت کیا کہیں

جب کسی صورت تجھے پاس مروت ہی نہ ہو
ہم جو کچھ تجھسے کہیں اے بے مروت کیا کہیں

جی میں تھا یار آئے گا تو کچھ کہیں گے راز دل
جب وہ آیا ہو گئے ہم محو حیرت کیا کہیں!

وہ جو رونے کا ہمارے پوچھتے ہیں ماجرا،
اور بھی ہو جائے ہے گریہ کی شدت کیا کہیں

جل نے گرمی حسن کی اللہ رے عارض کی تاب
مہر وش تجھ کو کہیں یا ماہ طلعت کیا کہیں

ہم نے چاہا کچھ کہیں اس نے لیا منہ اپنا پھیر
ہو گئی اپنی ظفر برگشتہ قسمت کیا کہیں

دیگر

جب سے چار آنکھیں تری اے آفت جاں ہو گئیں
تیر سی اس کے جگر کے پار مژگاں ہو گئیں

ایک میری جان ہے کیا ایسی تو جانیں سیکڑوں
ناز کے صدقے ترے غمزہ کے قرباں ہو گئیں

گر جبیں بھی لکھیں دست حنائی سے ترے!
ہم خطاداروں کو وہ پھولوں کی چھڑیاں ہو گئیں

تیز تھیں پہلے بھی تلواریں نگاہوں کی تری!
سنگ سرمہ سے زیادہ اور براں ہو گئیں

ان کے رونے نے ڈبویا آشنائی میں مجھے!
میری آنکھیں میرے حق میں قہر طوفاں ہو گئیں

شہر سے شاید گیا دیوانہ صحرا کو نکل!!

شور لڑکوں کا نہیں سونی ہیں گلیاں ہوگئیں

واہ اس صورت کدہ میں دیکھتے ہی دیکھتے
صورتیں کیا کیا نظر سے اپنے پنہاں ہوگئیں

روئے اس دستِ نگاریں کے تصور میں جو ہم
اشکِ خوں سے اپنی پلکیں شاخِ مرجاں ہوگئیں

اے ظفر دل کی پریشانی کا میرے ہے اثر
یہ جو اُس کافر کی زلفیں ہیں پریشاں ہوگئیں

دیگر

نامہ بر شاید وہاں کچھ اور تدبیریں ہوئیں
جو خط و پرزہ کی سب موقوف تحریریں ہوئیں

مطلع ثانی

کیا خطائیں ہم نے کیں ہم سے تقصیریں ہوئیں !
جو ہمارے قتل کی قاتل یہ تدبیریں ہوئیں !

غل پڑا عالم میں ہم سودائیوں کے قید کا
جس گھڑی تیار اُن زلفوں کی زنجیریں ہوئیں

ہیں جو خوبانِ عالم تصویر ہم اُن کے کلام !
سنکے حیراں ہیں کہ گویا کہ تصویریں ہوئیں

تھے بہت سرباز پر میں ہی ہوا سینہ سپر
سامنے تیرے بھویں جو لیکے شمشیریں ہوئیں

حسن کی سرکار سے امداد دل کو عشق میں !
دونوں زنجیریں تری زلفوں کی جاگیریں ہوئیں

پھوڑا جب فرہاد نے سر اپنا اور مجنوں نے پاؤں
عشق میں ثابت بُری دونوں کی تقدیریں ہوئیں
عشق کو دیتا تھا میں ترجیح ناصح عقل پر
اس پہ میرے اور اس کے خوب تقریریں ہوئیں
جو نہ تھی توقیر کے قابل انھیں کو اے ظفر
چرخ کی سفلہ نوازی سے ہیں توقیریں ہوئیں

نہ پوچھ گردن نخچیر ہل گئی تھی کیوں ؟
چھری تری دم تکبیر ہل گئی تھی کیوں !
نہ آیا خواب رہا رات بھر یہی کھٹکا !
کہ در پہ یار کے زنجیر ہل گئی تھی کیوں
جو ان بھوؤں کی نہ جنبش سے آیا تھا بھونچال
تو میرے دل کی یہ تعمیر ہل گئی تھی کیوں !
پہنچ گیا رخ نازک پہ اس کے اک صدمہ
ہوا سے زلف گرہ گیر ہل گئی تھی کیوں
جو تیرے خوف ستم سے لرز گئے تھے نہ یہ
تو پھر زمین فلک پیر ہل گئی تھی کیوں !!
جہاں کو جنبش ابرو سے اس نے قتل کیا
الٰہی اس کی یہ شمشیر ہل گئی تھی کیوں !!
پڑا جو خانہ زنداں میں غل خدا جانے
کہ میرے پاؤں کی زنجیر ہل گئی تھی کیوں
زبان شمع کو کاٹا جو تو نے خوب کیا !!
یہ شب کو بزم میں گلگیر ہل گئی تھی کیوں

جو زیر خاک نہ تھا اضطراب دل باقی
تو گور عاشق دلگیر ہل گئی تھی کیوں !

ہماری جان ہمیشہ رہی جو تیرے پاس
یہ تجھ سے اے بت بے پیر ہل گئی تھی کیوں

ظفر جو خوف سے تیرا نہ کانپتا یہ ہاتھ
قلم ترا کام تحریر ہل گئی تھی کیوں !!

دیگر

شوخی بلا سے شوخ پری رو کی آنکھ میں
وحشت ہے ایسی کا ہے کو آہو کی آنکھ میں
میں اپنے سوز دل کو بجھاؤں تو کس طرح
اب تو نہیں ہے بوند بھی آنسو کی آنکھ میں
کیا رکھیں اس سے چشم کہ دیکھی نہیں کبھی
ہم نے مروت اُس بت دلجو کی آنکھ میں
اک دم بھی اشک خوں سے جو ہم نے لیے نہ کام
سرخی تمام دن رہی لوہو کی آنکھ میں !
ہو کیا ادا نہ زحمت محراب دیکھ کر
پھر جائے شکل اُس خم ابرو کی آنکھ میں
چشم اس کی خود ہے سحر نگاہیں ہیں خوش نوا
حاجت نہیں ہے سرمۂ جادو کی آنکھ میں
ہیں دل کے باندھنے کو کمندیں یہ اے ظفر
ڈورے کھنچے ہوئے مرے مہرو کی آنکھ میں

دیگر

میں ہوں وہی نہ منہ سے کبھی یاروں میں نکالوں
بیٹھا ہوا سب کام اشاروں سے نکالوں !
گالی مجھے وہ لوگوں میں کیوں دے جو یہ سمجھے
کیا ایسا سخن منہ سے ہزاروں میں نکالوں

سو بار بہار آئے نہ آئے وہ گل اندام !
کیا دل کے میں ارمان بہاروں میں نکالوں

ہیں دشت میں وحشت نے ترے پاؤں نکالے
میں پاؤں یہ کیوں دشت کے خاروں میں نکالوں

گر مجھ کو جلا دیں روش شمع سراپا !
میں منہ سے نہ اف شعلہ عذاروں میں نکالوں

ہمسر ہوں جو دنداں سی زیب سے تیرے
سو طرح کے میں عیب ستاروں میں نکالوں

مانند نگیں سینہ خراشی کے بدولت
میں نام ظفر سینہ فگاروں میں نکالوں

دل غم الفت سے مضطر کچھ نہیں تو کچھ نہیں
چشم آب گریہ سے تر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

نے ہے بت خانہ میں نہ کعبہ میں جو ہے دل میں
اور اگر دل ہی کے اندر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

غم ہے کیا ساقی کہ ہستی کا نہیں کچھ اعتبار
تو دے تجا بھر کے ساغر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خوبی تقدیر کے ہیں ساتھ ساری خوبیاں
اور اگر اے دل مقدر کچھ نہیں تو کچھ نہیں !

قد خوباں گرچہ نخل میوہ فردوس ہے
نارپستاں سے ثمر در کچھ نہیں تو کچھ نہیں

غم نہیں ہونے نہ ہونے کا بے پروا ہیں ہم
ہے تو ہے سب کچھ میسر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خوبی جوہر سے ہے انساں کی قدر و منزلت
اور جو اس میں خوب جوہر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خانۂ دل کم نہیں رتبہ میں بیت اللہ سے
پر ترے نزدیک کافر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

حسن و خوبی ناز و شوخی سب ہیں لیکن کیا کریں
رحم تجھ میں اے ستمگر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

تم جو کہتے ہو ظفر کو کچھ نہیں یہ آدمی
خیر بہتر بندہ پرور کچھ نہیں تو کچھ نہیں

جا کے ہم گوشہ وہاں پکڑتے ہیں　　کہ سخن چین زباں پکڑتے ہیں
جو اُن آنکھوں کے ہوتے ہیں بیمار　　پھر وہ دو دن کہاں پکڑتے ہیں

کیا بلا مارگیر ہیں ہم بھی !
مار زلفِ بتاں پکڑتے ہیں

چھیڑ کر فندقوں کو ہاتھ میں ہم　　گویا انگاریاں پکڑتے ہیں !
کب نکلتے ہیں دل سے تیرے تیر　　جب جگہ میری جان پکڑتے ہیں

جان کر مرشد اپنا بادہ پرست
دست پیر مغاں پکڑتے ہیں !

گیا چوری کے ساتھ دل پکڑا　　چور گھڑیا سے ہاں پکڑتے ہیں
دیکھ کر تیری ایک گردش چشم　　کان تو آسمان پکڑتے ہیں

اے ظفر خاک ہو کے عشق میں ہم
دامنِ دلستاں پکڑتے ہیں

دیگر

بدگو جو ہے بدی سے کہتا ہمارے حق میں
بد ہوگا اس کے حق میں اچھا ہمارے حق میں

ہے کیا خطا تمہاری تھا یوں نوشتہ اپنا
ہو کر خفا جو تم نے لکھا ہمارے حق میں

تیرا خیال قامت ہر روز اے ستمگر
کرتا ہے اک قیامت برپا ہمارے حق میں

آنسو ہمارے ہم کو ہیں عشق میں ڈبوتے
ہے ایک ایک قطرہ دریا ہمارے حق میں

پڑتی ہے دمبدم کیوں ہم پر نظر تمہاری
منظور آپ کو ہے اب کیا ہمارے حق میں

مژگاں جو یاد اس کی ہم کو دلا رہی ہے
دل ہی ہمارا کانٹے بوتا ہمارے حق میں

کرتی ہے تنگ ہم کو وحشت ظفر ہماری
زنداں سے کم نہیں ہے صحرا ہمارے حق میں

دیگر

جو خوش کلام ہیں کام وہ وہاں بگڑتے ہیں
جہاں کے مردم بدگو زباں بگڑتے ہیں

کرے ہے چشم عنایت سے تو نظر جس پر
وہ نذر تیری کا دل اے دلستاں بگڑتے ہیں

جو ہوتے ہیں تری چشم سیاہ کے بیمار

وہ رات کاہے کو اے میری جاں بچتے ہیں
ارادہ کرتے ہیں دل کے شکار کرنے کا !!
وہ جبکہ ہاتھ میں تیر و کمان پکڑتے ھیں

کوئی بلا ہیں سپیرے ہمارے حضرت دل
جو مار طرۂ عنبر فشاں پکڑتے ھیں !!!
برنگ نقش و قدم پھر وہ کوئی اُٹھتے ہیں
جگہ جو تیرے سرِ آستاں پڑتے ہیں
ظفر لکھیں اُنھیں کیا حال ہائے کانپتے ہیں
قلم جو ہاتھ میں ہم ناتواں پکڑتے ہیں

تیر و شمشیر کے زخموں سے ھیں اے یار نشاں
تن پہ جو گل کئے ہیں کئی خمدار نشاں !
تو جو کل تکیہ کی جا ہاتھ نہ رکھ کر سوتا
پڑتے چھلّوں کے ترے کیوں سرِ رخسار نشاں
سینہ کاوی سے غرض کیا اُنھیں مانند نگیں
نہ جنھیں نام کی خواہش ہے نہ درکار نشاں
جو جفا و ستم و جور نہ پایا تجھ میں ؟
ہم نے اُلفت کا کچھ اے شوخ ستمگار نشاں
زخم کھانے میں مزا کچھ نہ ہووے تو یہ دل
کیوں ہو تیر نگہ یار کا سو بار نشاں !!
لاکھ دھو تو نہیں جانے کا کبھی اے قاتل
ترے دامن سے لہو کا مرے زنہار نشاں
چشم گریاں دل بریاں دم سرد و رخ زرد

ہیں بظاہر تو یہی عشق کے دو چار نشاں

کثرتِ داغ سے ہے فوجِ صف آرا دل پر
کھول دے تو بھی تو اے آہ شرر بار نشاں

اے ظفرؔ جبکہ ہوئی فرصتِ گلگشت ہمیں
نہ رہا گل کا سرِ دامنِ گلزار نشاں

دیگر

کبھی جو ہاتھ میں ہم گیسوئے جانانہ لیتے ہیں
تو اپنے پنجۂ مژگاں سے کارِ شانہ لیتے ہیں

سبوئے خم سے بھی ہوتے نہیں سیراب جو میکش
وہ کب احسانِ ساقی بہر یک پیمانہ لیتے ہیں

ہمیں کیا کام زاہد نے لیا گر رستہ کعبہ کا
ہم اُس بت کی محبت میں رہ بتخانہ لیتے ہیں

اُٹھاتے ہیں وہ مینوشی کی کیفیت جو مستی میں
لبِ میگوں کے تیرے بوسے گستاخانہ لیتے ہیں

ترے کہنے سے ناحق چھیڑ کر اس زلفِ مشکیں کو
بلا ہم اپنے سر پر اے دلِ دیوانہ لیتے ہیں

قسم ہے اپنے سر کی ہم ابھی دیتے ہیں سر اپنا
اگر جرمِ وفا پر ہم سے وہ جرمانہ لیتے ہیں

ظفرؔ زنار گردن جن کی ہے رشتہ محبت کا!
وہ اپنے ہاتھ میں کب سبحۂ صد دانہ لیتے ہیں

دیگر

مجھ سے کیوں کر نہ ہو انکار ملاقات تمھیں!
گذرے ہے صحبت اغیار میں دن رات تمھیں

ہم سے ہر بات پہ ہوتے ہو جو تیڑھے ترچھے
کرنی آتی نہیں سیدھی بھی اچھی بات تمھیں

آئے یا آئے نہ تم ہم بھی گئے یا نہ گئے!
یہ مساوات ہمیں ہے وہ مساوات تمھیں

داؤ پر چڑھ کے تمہارے کوئی کب بچ سکتا ہے
دل کے لینے ہی تو آتی ہے عجب گھات تمھیں

اشک بھر لاؤں جو آنکھوں میں دم سوزش دل
عین گرمی میں دکھا دوں ابھی برسات تمھیں

تحفہ تر دل سے کوئی چیز نہ پائی ہم نے
بھیجتے راہ محبت سے سوغات تمھیں

خوش غم عشق میں اس یار کے ہو تم ہر وقت!
اے ظفر کیوں نہ کہیں لوگ خوش اوقات تمھیں

دیگر

دے گرہیں زلف گرہ گیر میں دو تین
باندھے ہے وہ دل زلف کی زنجیر میں دو تین

ہو کون دو چار اُس سے کہ وہ قاتل سفاک
سر دے اڑا ایک ہی شمشیر میں دو تین

یہ ناز و ادا یہ نگہ و غمزہ و انداز!

ہیں خوب اُسے عالم تصویر میں دو تین
دس باتیں ہوں دل میں تو ادا سامنے اُس کے
تقریر میں دو تین ہوں تحریر میں دو تین
اُس پنجۂ مژگاں سے لگے خوب پیاپے
خنجر جگر عاشق دلگیر میں دو تین
بیمار محبت نے ترے اور بھی ظالم !
دن بگڑے ترے آنے کی تاخیر میں دو تین
قربان تیرے ہاتھوں کے اے شوخ کماندار
کیا تو نے پروئے ہیں دل اک تیر میں دو تین
رنج و قلق اور یہ اندوہ و غم و درد
غمخوار لکھے تھے مری تقدیر میں دو تین
اک میں ہی نہیں وصل کا خواہاں ظفر اُس کے
ہیں اور بھی پھرتے اسی تدبیر میں دو تین

نے کبھی ہوں شاد شادی میں نہ غمگیں غم میں ہوں
میرا عالم اور ہے میں اور ہی عالم میں ہوں
فرصت یکدم ہے اتنا پھولنا مثل حباب
آ گیا کیا ہستی موہوم کے میں دم میں ہوں
کیوں پھروں آوارہ اُس کو ڈھونڈھتا مثل صبا
میرا ہمدم مجھ میں ہے اور آپ میں ہمدم میں ہوں
جا کرے گا اس بار کیا ابر میرے سامنے
رکھتا اک دریائے خوں دیدۂ پرنم میں ہوں
خون جگر افگار ہوں کیا عشق میں سوزش پسند !

چارہ گر سے اپنے ملواتا نمک مرہم میں ہوں
جو مقدر میں ہے اُس سے نے زیادہ ہو نہ کم
میری نادانی ہے گر میں فکر بیش و کم میں ہوں
کاسۂ چشم تصور چھوڑ کر اپنا کبھی !!
اے ظفر محو تماشا میں نہ جام جم میں ہوں

دیگر

دل ہے تیر نگاہ یار کی گون   لیکن اس کو نہیں شکار کی گون
جسم ہے کیا ہی انتظار کی گون   دل بھی ہے درد ہجر یار کی گون
ہم ترے ظلم کے سوا ظالم !
نہ محبت کی ہے نہ پیار کی گون
ہم کو ہے نہ بوسۂ لب میگوں   نہیں صہبائے خوشگوار کی گون
خون کو میں کر ملے وہ تلوے بھی   ہے یہ مہندی اُسی نگار کی گون
دیکھ لیتے ہیں سینہ پر داغ
ہے کسی سیر لالہ زار کی گون
تن پہ جامے قبائے آب رواں   خاک ہے تیرے خاکسار کی گون
واہ ابر و ہوا و سبزہ و گل   ہے یہ موسم شراب خوار کی گون
یار کا نامہ تسلی بخش !
ہے مری جان بیقرار کی گون
دل مرا مثل بلبل تصویر   نہ خزاں کی ہے نہ بہار کی گون

قطعہ

اے پری ہے زمیں دشت جنوں   ترے دیوانہ کے مزار کی گون
بید مجنوں سرہانے ہو اُس کے   ہو اگر نخل سایہ دار کی گون

قطعہ

ہو میسر زلال خضر تو کیا — کہ نہیں تیرے جاں نثار کی گوں
ہے تو اُس تشنۂ شہادت کو — آب شمشیر آبدار کی گوں!
لے چلا دل ظفر مجھے ناحق!!
میں نہیں اُس ستم شعار کی گوں

آئے نہ تم جو ایک نفس پانچ روز میں — یہاں کاٹے ہم نے پانچ برس پانچ روز میں
ہے عمر تیز رو نہ بہت فرصت قلیل — کیا خاک نکلے دل کی ہوس پانچ روز میں
پہنچے جہاں پیادہ ہم اک دن میں مضطرب
جائے نہ وہاں سوار فرس پانچ روز میں
وہ پانچ دن خمار رہے ایسے کہ دیکھ کر — آنکھیں گئیں ہماری ترس پانچ روز میں
یہ ضعف ہے کہ کئے ہے سینے سے لب تلک — صیاد بانگ مرغ قفس پانچ روز میں
ماتم ترے شہید کا پنجم تلک رہا!
جو ہونا تھا سو ہو گیا بس پانچ روز میں
چھپنے کا راز عشق نہیں ہاں اے ظفر — کھل جائے گا یہ دیکھنا دس پانچ روز میں

ردیف الواؤ

گر ناز سے وہ صحن میں رکھے چمن کے پاؤں!
چومے زمیں پہ گر کے گل اُس گلبدن کے پھول
وحشت کو میری دیکھ کے جو بھولے چوکڑی
اک جست میں شکستہ ہوں چاروں ہرن کے پاؤں

اے عشق کیا صلاح ہے تری کا یہ بتا مجھے !
یک شیخ کے قدم کو پڑوں یا برہمن کے پاؤں

اتنا نہ آہ و نالہ کرے اپنے بلا سے !!
اے دل نہیں ہیں گنبد چرخ کہن کے پاؤں

شیریں کو پھر نہ ہو ہوس سرخی کفک !
رنگیں کرے لہو سے اگر کوہکن کے پاؤں

یہاں تک ہے شوخ دشت نوردی کہ دو ں نکال
میں اپنے بعد مرگ بھی باہر کفن کے پاؤں !!

شیطان کو سونپے اپنی اگر خدمت وضو !
دھو دھو پیئے وہ زاہد پر مکر و فن کے پاؤں

کیونکر نکل سکے دل وحشی کہ پھنس گئے مرے
پھندے میں اُس کی زلف شکن در شکن کے پاؤں

دشت جنوں میں اپنی بھی وسعت نہیں ظفر
پھیلیں جو اک ذرہ مرے دیوانہ پن کے پاؤں

دیگر

اُلفت کو تم ہمارے کیا دم سی پوچھتے ہو
دل ہی سے اپنے پوچھو کیوں ہم سی پوچھتے ہو

اے ہمدو ہے کوئی دم اور پوچھ لو تم
جو کچھ کہ میری جان پر ہے غم سی پوچھتے ہو

ہم کون ہیں جو پوچھو کوئی صلاح ہم سے
گر پوچھتے ہو اپنے محرم سے پوچھتے ہو

برہم جو اس طرح وہ ہوتی ہے حضرت دل
کیا بات اُس کی زلف پر خم سے پوچھتے ہو

تدبیر قتل میری پوچھ نگہ سے اپنے
تم اس کو کیا قضائے مبرم سے پوچھتے ہو

سر دیتے عشق میں ہیں کیونکر یہ ہم سے پوچھو
کیا اس دلاوری کو رستم سے پوچھتے ہو

خانہ بخانہ رسوا ہوئے ہوائے ظفر تم
اُس کا مکان جو سارے عالم سے پوچھتے ہو

دیگر

چاہیئے تیر ناز یہ کاری تیر نظر اور اچھا ہو — سینے میں زخم دل کے قریب اک زخم جگر اور اچھا ہو
قطرۂ اشک کو میرے لیکر جوہریوں سے تم یہ کہو — لاؤ دکھاؤ اس سے کبھی جو کوئی گہر اور اچھا ہو
پرورش اپنی خون جگر سے کرتے ہیں اسواسطے ہم
حاصل نخل محبت کا تا ہم کو ثمر اور اچھا ہو
دل کو جلا کر میرے اگر وہ مجھ کو جلانے آیا — پیدا نالۂ سوزاں میں اک میرے اثر اور اچھا ہو
اے غم جاناں دل میں مرے آکے رہیے بہتر یاں — واسطے تیرے رہنے کے جو اس سے گھر اور اچھا ہو
سارے اطبا بلکہ مسیحا آئے لیکن ممکن کیا
جو ہو تیرا بیمار چشم فسوں گر اور اچھا ہو
اچھا ہو کر چھڑکے نمک وہ میرے دل کی جراحت پر — بلکہ تھوڑا سا شک بھی اسمیں ہو جو ظفر اور اچھا ہو

وہ دیکھے سوز محبت سے دل کے داغ کی لو — نہ دیکھی جس نے ہو بھڑکی ہوئی چراغ کی لو
دکھاوے رشک چمن اپنے تو گل رخسار — لگی ہوئی ہے مرے دل کو سیر باغ کی لو
خیال ہے ہمیں ساقی کی چشم میگوں کا !
نہ ہے شراب کی خواہش نہ ہے ایاغ کی لو
عجب نہیں کہ مرے سر پہ داغ سودا سے — عیاں ہو شمع صفت سوزش دماغ کی لو
جہاں سے ہو گئے عنقا کی طرح وہ معدوم — لگی جنھیں کمر یار کے سراغ کی لو
تمہارے عاشق وحشی مزاج کو تم بن
کبھی ہے باغ کی لو اور کبھی ہے راغ کی لو
جہاں میں کنج قناعت کا ہو وہی خواہاں — ظفر لگی ہو جسے گوشۂ فراغ کی لو !!

زلف میں تمہارے موتی کی ہیں تمہارے یکدو — یا نکل آئے ہیں ہالے میں ستارے اکدو

مطلع ثانی

روز تم دشنام دو منہ پر ہمارے ایکدو
پیارے بوسہ نہ صد افسوس پیارے ایکدو

کھو کے ساری عمر یہ پایا کہ جانے ہم تبھی
آپ کے دو چار ایما اور اشارے ایکدو

اس تپ سوز محبت کا کروں میں کیا علاج
روز لائے ہے نئے مجھ سے حرارے ایکدو

کیا رکھے کوئی فلک سے کارسازی کی امید
سیکڑوں اس نے بگاڑے گر سنوارے ایکدو

کہتے ہیں آتشکدہ جس کو ہوئے ہیں جمع شدہ
آتش دل کے مرے شاید شرارے ایکدو

چرخ پر انجم کو پھر کیا کیا زمیں پر رشک ہو
چھوڑ دیں اس نقش پا سے گر ستارے ایکدو

کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کوچہ میں ترے
جا کے مر جاتے نہیں شامت کے مارے ایکدو

ماہتابی پہ ظفر کیا لطف سیر ماہتاب
ہو دیں پہلو میں نہ جبتک ماہ پارے ایکدو

دیگر

بس میں دل کر لو کسی دم سے نہ پوچھو کچھو
ہمیں کیا پوچھتے ہو ہم سے نہ پوچھو کچھو

میرے نالے ہی سے ہو جائیگا تجھے معلوم
حال میرا مرے ہمدم سے نہ پوچھو کچھو

دل کی دل کو ہے خبر پوچھ لو دل سے اپنے
کچھ ہمارے دل پر غم سے نہ پوچھو کچھو

وہ کرو ہائے غضب جو کہے نامحرم راز
اور اپنے کبھی محرم سے نہ پوچھو کچھو

کیا کہے حال وہ جو لے سنکے ضعف سے دم
اب تو کچھ عاشق بیدم سے نہ پوچھو کچھو

دل بیمار کا پوچھو لب جاناں سے علاج
ہمدم عیسیٰ مریم سے نہ پوچھو کچھو

جاؤ اے حضرت دل مانگ کی لو سیدھی راہ
رستہ اس طرۂ پر خم سے نہ پوچھو کچھو

دل پہ جو میرے گذرتی ہے اُسے دیکھو تم
ہے عیاں دیدۂ پرنم سے نہ پوچھو کچھو
پوچھ لو دل سے ظفر پوچھتے ہو جو تدبیر
اور کچھ مردم عالم سے نہ پوچھو نہ کچھو !

دیگر

گالیاں دے چکے اب نالہ و زاری تو سنو
اپنی سب کہہ چکے تھوڑی سی ہماری تو سنو
بات آدھی بھی نہیں منہ سے نکالی ہم نے
کیوں رُکے ہم سے حقیقت ابھی ساری تو سنو
یار و احوال مرا سن کے کرو گے تم کیا !
اسمیں کچھ اگر ہو سکے یاری تو سنو
نہ سنو تم مری توقیر کی باتیں نہ سنو
پر بلا سے مری تم ذلت و خواری تو سنو
کچھ کہیں ہم تو سنو تم نہ اُسے یکبارگی
اور مخالف کہے آ کر کوئی باری تو سنو
ناصحو حال غم عشق سنو تم کیوں کر
ہو وے حالت جو ہماری سی تمہاری تو سنو
اے ظفر سنتے ہو کیوں باتیں کسی کی بیکار
کچھ اگر سننے سے ہو کار براری تو سنو

اگر تم قتل میرے کو کوئی شمشیر لے آؤ !
تو ابرو ہی کی اپنی کھینچ کر تصویر لے آؤ
قسم کھائی ہے یارو اُس نے میرے گھر نہ آنیکی
جو تم سے آ سکے تو کر کے کچھ تدبیر لے آؤ
دیا تھا ہم نے کیا اقرار نامہ آپ کو لکھ کر
کہاں ہے وہ ہمارے ہاتھ کی تحریر لے آؤ
کسی نے جو کہا عاشق کو لائیں سامنے تیرے
کہا گر ہے قضا ہی اُس کی دامنگیر لے آؤ

مقابل کر کے دیکھو خوبی اُس کی روئے نوخط کی
عزیزو سورۂ یوسف کی تم تفسیر لے آؤ

وفا کا کب کیا اقرار ہم نے بیوفاؤں سے
بنا کر دل سے تم چاہو کوئی تقریر لے آؤ

کہوا عدا سے یہ گر ہو ظفر کی ہمسری کرتے
تو اُس کی سی نہیں سے پہلے تم تقدیر لے آؤ

کون کہتا ہے ادا سے نہ چلو یوں ہی چلو
لیک تم پاؤں سے دل کو نہ ملو یوں ہی چلو

تربت عاشق شیدا پہ اگر چلتے ہو
تو کسی غیر کو ہمراہ نہ لو یوں ہی چلو

چھوڑتے چال بھلوں کی وہ نہیں جوں ہی بھلے
تم جو دنیا میں بھلے ہو تو بھلو یوں ہی چلو

جب کہا میں نے میرے گھر کی طرف سے چلیے
تو کہا آگے بڑھو یاں سے ٹلو یوں ہی چلو

نکلو ساتھ مرے یوں کہ چلیں اور بھی ساتھ
اور چھاتی پہ میرے مونگ دلو یوں ہی چلو

کر لو کچھ نیک عمل چلنا ہے یہاں سے تم کو
کہیں ایسا نہ ہو اے بد عملو یوں ہی چلو

کھینچ لا عشق ظفر آگ میں پروانوں کے
کہتا ہے خواہ بھنو خواہ جلو یوں ہی چلو

دیگر

کہاں عیش مجھ کو نہ عیاش سمجھو تم اس غمزدے کو نہ ہشاش سمجھو

نہ کھینچوں اگر دل پہ نقشہ تمہارا — تو کاہے کو تم مجھ کو نقاش سمجھو
مدام اس کو رندوں سے صحبت رہی ہے — تم اس دختر رز کو اوباش سمجھو
کیا جھاڑ کر صاف صحرا کو اس نے
نہ سمجھو ہوا اس کو فراش سمجھو
یہ ہے عکس خورشید دریا میں مستو — اسے بادلہ سمجھو یا تاش سمجھو
پڑا در پہ میں آپ کے خاک ہو کر — مجھے خاکسار اپنا تم کاش سمجھو
تم اُس حور وش کے لب شکریں کو !
ظفر سیب جنت کی اک قاش سمجھو

دیگر

کچھ اس کے دیکھنے کا اے دل نہیں لگاؤ — کم پاس تم لگاؤ یا دوربین لگاؤ
آنا ہے پاس میرے تم کو تو آج کی شب — پاؤں میں تم نہ مہندی اے مہ جبیں لگاؤ
دنیا میں بے لگاؤ کوئی مکاں نہیں ہے
لیکن نیا یا تیرے گھر کا کہیں لگاؤ
اُس ماہ وش سے اپنا کیونکر لگے گا لگا — توڑے ہیں سب ستارے چرخ بریں لگاؤ
وہ خال لب کا نکتہ کھلتا ہے کب کسی پر — ڈھونڈھیں ہزار اُس کا اب نکتہ چیں لگاؤ
سنگ فساں نہو بہتر ہے میری سخت جانی
تم کو اگر لگانی ہے تیغ کیں لگاؤ !
تو اضطراب دل کو پوچھے ہے کیا ظفر کے — ہوتا بُرا ہے دل کا اے نازنیں لگاؤ
جس سے آرام ہوا دل وہ دیجیے کسی ایسے کو
نہ کہ دل لیکے دکھاتا رہے جی ایسے کو !!
بشر اُس حور شمائل کو ہو کیا دیکھ کے عشق
ہوش اُڑ جائیں اگر دیکھے پری ایسے کو !
دل کی اچھا کیا اُس زلف نے باندھیں مشکیں !

دینی ایسی ہی سزا چاہیے رکھتی ایسے کو

روتے دیکھا جو مجھے اس نے تو ہنس کر یہ کہا
کہ ہمیں دیکھ کے آتی ہے ہنسی ایسے کو

شکوہ بیجا ہے اگر دل کو نچوڑے غم عشق
دل میں بھی ہم نے جگہ آپ ہی دی ایسے کو

خط مرا پھیرتا ہے غیروں کو دکھاتا قاصد
دی نوشتہ نے مرے نامہ بری ایسے کو!

دل ہے اُس دلبر نازک کا الٰہی کیوں سخت
زیب دیتی نہیں یہ سنگدلی ایسے کو

جوہر آئینہ ہیں ورنہ ہے ایسا غماز
کہ لگاوے نہ کوئی منہ بھی کبھی ایسے کو

اس زمانہ میں نہ آتے ہوں جیسے مکر و فریب
سچ تو یوں ہے کہ ظفر کیجیے دلی ایسے کو

نہ اُس رخ پہ زلف پریشاں سمجھو   شب و روز دست و گریباں سمجھو

مطلع ثانی

کسی پر نہ وہ سرخی پان سمجھو   کسی کے یہ شبخون کا سامان سمجھو

نہ سمجھو اُسے جان اے حضرت دل   اگر ہے سمجھ دشمن جان سمجھو

تمھیں کیوں کہ دیدیں گے بے بوسہ دل ہم
ہمیں تم نہ ایسا بھی نادان سمجھو!

یہی ہے جو طغیانی اشکوں کی اپنے   تو پھر آج آیا ہی طوفان سمجھو

سمجھتے ہو یوں بات کیسے ہماری   اگر کچھ سنو کھول کر کان سمجھو

نہیں حق پرستی سے کم بت پرستی　　اگر عشق کو دین و ایمان سمجھو
کسے لاؤ خاطر میں تم تو پری ہو　　جو انسان ہو قدر انسان سمجھو
کرو عشق بازی ظفر تم سمجھ کر
یہ ہے کام مشکل نہ آسان سمجھو

دیگر

ہنسی سے ہم نے ذرا چھو لیے جو یار کے پانو　　تو اُس نے کھینچ کے غضب ایک چیخ مار کے پانو
بھلا دی ایسی اُن آنکھوں نے چوکڑی اپنا　　کہ گر کے ٹوٹ گئے آہوے تتار کے پانو
زیادہ تر ہوئی رنگیں چمن میں گل مہندی
گئے جو دھوئے نگاریں وہاں نگار کے پانو
پھروں نہ دشت جنوں میں برہنہ پا کیونکر　　کہ آشنا ہیں مزے سے خراش خار کے پانو
ہمارے پانو ہیں آنسو نے ابر مژگاں کے　　کوئی ٹھہرتے ہیں اس طفل نے سوار کے پانو
ملے ہیں تو غیرہ ذنبار کس کے تلووں سے
بھرے ہیں خون میں جو اُس شوخ گلعذار کے پانو
جو کوچے تیغ ستم سے ہوا ہے کٹوانے　　تو دیکھیں کوچے میں ہم اس ستم شعار کے پانو
نصیب اُس سے اگر ہو تمہاری پابوسی　　تو خاک پا یہ تمہارا پڑے ہزار کے پانو
یہ تنگنائے جہاں رہے ظفر نہیں وہ جائے
کہ سوئے جیں سے کوئی یہاں پسار کے پانو

دیگر

تیغ غم سے کس کا دل سینہ میں میرا سا ہے　　وہ چڑھے منہ عشق کے جس کا جگر میرا سا ہے
کیے اُس نو خط کے جو حسین تیں تو بچے نکلا　　لیکے خط جا دے وہاں جو نامہ بر میرا سا ہے
ابر سو بار گو ہر بار ہو لیکن کہاں　　دیدہ اُس کا خوں فشانی و چشم تر میرا سا ہو

چھیڑے وہ شامت زدہ کالیکو اُسکی زلف کے   چاہنے پر جو کھیلے دل جس کا نڈر ایسا ہو
جو ہو ہرجائی یہ شیدا اُسکا رسوائی سر جا لے   کو بکو خانہ بخانہ در بدر ایسا ہو
ہو وے حسن و عشق کا جب آشکارا رنگ ڈھنگ
رنگ آدھر تیرا سا ہو اور ڈھنگ اُدھر میرا سا ہو
ناصح بیدرد سے اپنا کہوں کیا دردِ دل   جبکہ دل پر درد اُس کا اے ظفر میرا سا ہو

گڑ کے سو بار اُکھڑ جاتے ہیں تدبیر کے پانو
لیک لغزش نہیں کرتے کبھی تقدیر کے پانو
گنبد چرخ خدا جانے کھڑا ہے کیونکر
ورنہ گر ہی پڑے گر ہوویں نہ تعمیر کے پانو
دل کا اس زلف میں یہ حال ہے جیسے پھنس جائیں
کے پھندے میں کسی مرغ ہوا گیر کے پانو !!
آئے گا پائے تصور سے ترے کوچہ میں
کٹ بھی جائیں گے اگر عاشق دلگیر کے پانو
کیا عجب وحشت سے گر آنکلے سوے مجنوں !
تیرے وحشت زدہ پائے زنجیر کے پانو
لے کماندار ترے تیر کی زد پر آکر
اُٹھ نہیں سکتے زمیں سے ترے نخچیر کے پانو
جی میں یہ چاہتا ہے آنکھیں لگا دوں اپنی !!
اے ظفر دیکھ کے اس عالم تصویر کے پانو

دیگر

دوست اچھے ہو تو پیدا رہے دوستی کے ہو رہو

یا کسی کو کر رکھو تم یا کسی کے ہو رہو!

اس چمن میں کیا کرو گے میکشو ہنس بول کر
غنچہ ساں خاموش خونِ دل کو پی کے ہو رہو

حضرتِ دل ہونا حیراں گر تمھیں منظور ہو
محوِ حیرت اُس کی چشمِ نرگسی کے ہو رہو

ناصحو دکھلا دے وہ جلوہ تو میری طرح سے
تم بھی دیوانے اسے اُس رشکِ پری کے ہو رہو

جاتے ہو یار وہ مے ہو کر طرفدار اُس کے پاس
پر نہیں ایسا نہ ہو تم بھی اسی کے ہو رہو

ہوشیار و پوچھتے ہو تم اگر مجھ سے صلاح
مست لا یعقل نشے میں بیخودی کے ہو رہو

کرتے ہو برباد اپنی خاکساری کیوں ظفر
اُس کی خاک رہ غبار اُس کی گلی کے ہو رہو

دیگر

آپ کی مرضی ہے جو منہ سے ذرا کہہ تو دو
بات ہے کیا گو نگو منہ سے ذرا کہہ تو دو

تم نے جو مجھے دیکھ کر پھیر لیا اپنا منہ
کس لیے رنجیدہ ہو منہ سے ذرا کہہ تو دو

بوسہ مجھے دو گے تم ایک کے دو لیکے دل
مشفق من دوند و منہ سے ذرا کہہ تو دو

سامنے اس کے چلو دیکھیں تو کیا کہتے ہو!
ہم بھی سنیں ناصحو منہ سے ذرا کہہ تو دو

دل کہو حاضر ہے گر دل جان کہو حاضر ہے جاں
جو تمھیں لینا ہو تو منہ سے ذرا کہہ تو دو!

اس دلِ بیتاب کی کوئی تسلی کی بات
گر چہ نہ دل سے کہو منہ سے ذرا کہہ تو دو

کچھ نہ کہوں تو رکو اور نہ کہوں تو رکو
منہ سے ذرا کہہ تو دو منہ سے ذرا کہہ تو دو

مہر و وفا تو کہاں ہے یہ غنیمت جو کچھ
کان سے تم سن تو لو منہ سے ذرا کہہ تو دو

دردِ دل اپنا ظفرؔ اس بتِ بیدرد سے!
آج جو کچھ ہو سو ہو منہ سے ذرا کہہ تو دو

دیگر

صحبت تمھیں جو غیر سے لیل و نہار ہو — پھر مجھ سے کیونکہ آپ کی صحبت برآر ہو
وہ ایک دوست چاہیے تو پروا نہیں اگر — دشمن ہمارا ایک سے لے تا ہزار ہو
عیاریوں سے لیتے ہو دل کیسی یاریاں — مطلب کے اپنے یار ہو تم بس کے یار ہو
حاضر ہیں صیدگاہِ محبت میں پہلے ہم — ناوک فگن اگر تجھے شوقِ شکار ہو
سینہ میں داغِ عشق کو رہنے دے چارہ گر — شاید یہ بعد مرگ چراغِ مزار ہو
دل ہے وہی پسند جو تجھ پر فدا رہے — جاں ہے وہی عزیز جو تجھ پر نثار ہو
کیا حال اس کا ہو کہ ترے جس مریض کا — آنکھوں میں دم ہو اور ترا انتظار ہو
اختر شماریوں ہی میں تجھ بن کروں بسر — ہر چند رات ہجر کی روز شمار ہو

ہوں خاکِ راہ اس کا یہ ایسا نہ ہو ظفرؔ
میرا غبار خاطرِ نازک پہ بار ہو

سود و زیاں بتوں کے نہ کچھ دم بھر لیتے ہو — اے ہمدمو جو ہو سو خدا کے کرم لیتے ہو

کرنی بھلوں کے ساتھ بُرائی بھلی نہیں | نقصان اُسی کا ہو کہ جو کھوٹا کھرے سے ہو
تجھ سا حسین بنایا کوئی ہم نے اے پری | پریوں کے ملک کے بھی تم آئے پرے سے ہو
دل میرا صاف ان سے ہے مانند آئینہ | کیوں کر غبار لوگوں کے تہمت دھرے سے ہو
صحرا میں آب گریہ سے دیوانہ کے ترے | تھے جو درخت خشک گئے سب ہرے سے ہو
یکساں ہے تیرے عاشق شیدا کو گر زیست | حاصل نہ کچھ جیے سے نہ اُس کو مرے سے ہو
کیوں سوتے سوتے چونک پڑے خواب میں ظفر | وہ مار زلف دیکھ کے شاید ڈرے سے ہو

دیگر

یوں مرا گریہ سے خط روئے جاناں سبز ہو | جس طرح افراط باراں سے گلستاں سبز ہو
چونکہ ہیں آزاد اُنکو ہے ہمیشہ تازگی | کیا عجب ہر فصل میں گر سرو یکساں سبز ہو
چشم زہر آلود سے دیکھے جو اُنکو محتسب | میکدہ میں کیوں نہ رنگ بادہ خواراں سبز ہو
ہر نہال باغ ہووے زرد خجلت سے اگر | بر میں جوڑا تیرے اے سرو خراماں سبز ہو
خار سے تا شاخ آہو سب میں نکلیں برگ سبز | گر ترے مجنوں کے رونے سے بیاباں سبز ہو
اس قدر میں سوز دل لیکر چلا ہوں زیر خاک | نخل تربت پر نہ میرے وقت باراں سبز ہو

ہو یقیں سب کو کہ یا چشمۂ حیواں پہ خضر
جب ظفر اُس پشت لب پر خط نمایاں سبز ہو

دیگر

زمیں پہ خاک جمیں ترے خاکسار کے پاؤں | ہوا کے دوش پہ ہوتے ہیں یاں غبار کے پاؤں
وہ پھیں باغ میں کب ہے بہا گل مہندی | بنا ہیں بہار پہ مہندی سے اُس نگار کے پاؤں
راہ اجل پہ قدم تیری سُست جانوں کے | اُٹھا کے گھر لیے کرتے نہیں جیسے کہ بہار کے پاؤں
شراب خانہ کی جائے یہ مست اُٹھ کے کہاں | کہ ساقیا نہیں ہوتے شراب خوار کے پاؤں
بلا سے بیٹھے ہیں جاسوس ڈر نہیں ہم کو | گلی میں یار کے رکھتے ہیں ہم پکار کے پاؤں

مجھے ہے ڈر کہ نہ قاصد تری کٹیں کونچیں
رکھے ہے کوچہ میں تو اس ستم شعار کے پاؤں
ظفر جو حرص سے دنیا کے کھینچ لے ہیں ہاتھ
وہ سوئے کنج قناعت میں ہیں پسار کے پاؤں

دیگر

یہ چین کی صورت ہے جو منظور خدا ہو   پہلو میں جگہ دل کے بت ہوش ربا ہو

مطلع ثانی

تم پر یہ ہوا خواہ دل و جان سے خدا ہو   اور تم یہ کہو حیف کہ چل لیاں سے ہوا ہو
سر اپنا جھکے ادھر کہاں غیر در یار   سجدہ وہیں کرتے ہیں جہاں سجدہ کی جا ہو
بوسہ لب میگوں کا جو وہ مست مے ناز !
دے عالم مستی میں تو کیا خوب مزا ہو !
آزاد محبت سے ہیں ناچار اطبا   کیا اُس کا مداوا ہو کہ جس کی نہ دوا ہو
برہم ہوں دو عالم تھے اک جلوے کا فر   جب دونوں طرف منہ پہ ترے زلف دوتا ہو
چشم پر قاتل پہ ہے یوں سایۂ مژگاں
تیغے کو اٹھائے ہوئے جوں کار ربا ہو
جب جانے گرفتاری دل کو مرے ناصح   دل اس کا بھی گر دام محبت میں پھنسا ہو
مسجد سے نہیں کم وہ زمیں سجدہ کو اپنے   جس جا ظفر اُس یار کا نقش کف پا ہو

عاشق کو اپنے دیکھ کبھی اک نظر تو لو   وہ تم پہ جان دے ہے تم اُسکی خبر تو لو
زخمی کیا فلک کو مرے تیر آہ نے   خوں ہے شفق نہیں ہے ذرا دھیان کر تو لو
لے دوں گا اپنی جان تلک بیچکر تمھیں !

اے نالو ہاتھ آئے بقیمت اثر تو لو

عاشق تو مر ہی جائیگا یہ کوئی دم میں آپ　　خوں لیتے اپنے سر پہ ہو ناحق اگر تو لو

بوسہ نہ دو گلے نہ لگو تم پلنگ پر　　پر منہ کو اپنے پھیر کے کروٹ ادھر تو لو

میں نے کہا کہو تو مسیحا کہوں تمہیں نہ

کہنے لگے کہ کہنا ابھی پہلے مر تو لو

منہ کیا کرو گے نامہ و پیغام قاصدو　　تم جا کے اُس کے سامنے نام ظفر تو لو

جتنے گلے ہیں سارے منہ سے نکال ڈالو　　رکھو نہ دل میں پیارے منہ سے نکال ڈالو

ہم پیار سے ڈلی دیں منہ میں تمہارے اور تم　　جا کر اُسے کنارے منہ سے نکال ڈالو

غصہ کو تھوک دو تم بیٹھو نہ منہ بنا کر

جو جی میں ہے تمہارے منہ سے نکال ڈالو

کہنے سے ہم نہ چوکیں کہدیں اشارتوں سے　　تم گر زبان ہماری منہ سے نکال ڈالو

زلف اُس کی وہ نہیں ہے ناگن کہ حضرت دل　　دانت اس کے ڈر کے مارے منہ سے نکال ڈالو

کچھ پان میں دیا ہے اُس نے کہ یار ہم کو

کرتے ہیں یہ اشارے منہ سے نکال ڈالو

تم گو ہر سخن کو پیکا کے حسب نکالو　　گویا ظفر ستارے منہ سے نکال ڈالو

دیگر

دل اس روئے آتشناک پر تو دیکھ گیسو کو !

پرستش آگ کی کرتے نہ دیکھا ہو جو ہندو کو

فلک پر دیکھ کر ماہ صیام اے شوخ مہ طلعت

کوئی تلوار کو دیکھے ہے اور ہم تیری ابرو کو

دکھلا دے کاش ... اس کو زلف الجھا کر

نہ دیکھا جس نے ہو ملا سیہ سے لڑتے بچھو کو
معطر سنبلستاں نکہت عنبر سے ہو سارا !
اڑا کر گر صبا لیجائے اُن زلفوں کی خوشبو کو

کہاں ہے دل کہ وہ تو بھر گیا خوں ہو کے آنسو میں
ستمگر دیکھتا ہے چیر کر کیا میرے پہلو کو

تصور چشم ترمیں جس کے ہے اُس قد دلجو کا !
اُٹھا کر آنکھ کب دیکھے ہے وہ سرو لب جو کو

لب سوفار ہیں کیوں سُرخ اے ناوک فگن ان کے
پیا تیروں نے تیرے گر نہیں عاشق کے لہو کو

نہیں یہ چشم وحشی میں تری تحریر کاجل کی !
سیہ ڈوری سے باندھا ہے مگر اے شوخ آہو کو

ظفر جس سے دُر خوش آب غرق بحر خجلت ہے
محبت نے ہے دی وہ آبداری میرے آنسو کو

دیگر

جو اُس کی زلف میں ہے مشک ناب کیسی بو — تو ہے پسینہ میں رخ کے گلاب کیسی بو
الٰہی خیر ہو آتی ہے کوے قاتل سے — جو خوں عاشق پُر اضطراب کیسی بو
تصور رخ مہوش میں ہم اگر روئیں — ہر اشک میں ہو گل ماہتاب کیسی بو
بجائے لطف و عنایت یہ آتی ہے حضر دل — نکلتی ہمیں بھی ہے اک عتاب کیسی بو
کہاں ہے سنبل پیچاں میں اے نسیم چمن — کسی کی طرۂ پرپیچ و تاب کیسی بو

نہ لیجیے منہ سے ظفر نام پارسائی کا
تمہارے منہ سے آتی شراب کیسی بو

حضرت دل بیٹھے ہو گر کام سے بیٹھے رہو　　میرے گھٹنے سے لگے آرام سے بیٹھے رہو

شاعرِ مضمونِ زلف و رخ نہ اسکا آئے ہاتھ　　فکر میں گر صبح تک تم شام سے بیٹھے رہو

جا کے دیر و کعبہ میں کیا لوگے تم اے غافلو

ہاتھ اُٹھاؤ کفر اور اسلام سے بیٹھے رہو

بیٹھنے سے پاس بدنامی کا ڈر ہے کیوں تم　　دور اپنے عاشقِ بدنام سے بیٹھے رہو

چرخ تک چکر میں سب ہیں کیونکہ یارو زیرِ چرخ　　بچ کے تم اس گردشِ ایام سے بیٹھے رہو

وہ دکھائے گا کبھی تو جلوہ اپنا اے ظفر

تم لگائے آنکھیں اپنی بام سے بیٹھے رہو

عرق میں رخ کے اگر ہے گلاب کیسی بو　　تو اُس کے زلف میں ہے مشکِ ناب کیسی بو

پھر آیا سوزِ محبت سے میرے دل میں جوش　　کہ آنسوئیں ہے جوشیدہ آب کیسی بو

کہا یہ دل نے کہ ہے مست لے بھی لے بوسہ

دہن سے اُس کے جو آئی شراب کیسی بو

وہ خاکسار ہوں میں جس کے جسمِ خاکی پر　　پسینا آئے تو آئے تراب کیسی بو

زہے شیخ کا داڑھی کے رنگ کرنے سے　　عیاں ہے منہ سے پر اُس کے خضاب کیسی بو

کیا جو آتشِ غم نے برشتہ سینہ میں دل

تو ساتھ سانس کے آئی کباب کیسی بو

نہ کیونکہ حسن سے آنکھوں میں خواب آئے ظفر　　صبا جو لائی کسی مست خواب کیسی بو

دیگر

مسافرو نہیں یہاں ٹھہرنے کی جائے چلو　　رہِ فنا میں تم اپنے قدم اٹھائے چلو

بتا ہمیں دل بیتاب ہم چلیں نہ چلیں　　کہ یار کہتے ہیں تم وہاں نہ بن بلائے چلو

جو ساتھ غیر ہو تو ہنستے بولتے جاؤ !

جو ہم تمھارے ہوں ہمراہ تو منہ بنائے چلو

تمھاری چال سے پہچان لیں گے ہم تمکو ہزار راہ میں برقع سے منہ چھپائے چلو
قدم قدم پہ رہ عشق میں ہے لغزش پا چلو جو حضرت دل پاؤ تم جمائے چلو
جو لینے جاؤں انھیں میں تو وہ کہیں چل دور
جو غیر جائے بلانے کہیں کہ آئے چلو
ظفر گلی میں ہیں اُس کے لگے ہوئے جاسوس نہ ٹھہرو ایسا کوئی دیکھ پائے چلو

دیگر

بات جو منہ سے کہو دل کو ذرا لگتی کہو مت کہو رو رعایت سے خدا لگتی کہو
آنسوؤں سے کوئی بجھتا ہے مرا سوز دروں بلکہ دلیں اور ہے آتش سوا لگتی کہو
دردِ دل بلبل کا کر سکتے نہیں گر گوش زد
کان کیوں گل کے چمن میں ہے صبا لگتی کہو
جیسے ہاتھوں میں تمہارے ہے مری گستاخی کا خوں ہے کہاں خوشرنگ ہاتھ ایسی حنا لگتی کہو
اے ستمگار و نہو تا گر ستم کو تجھ سے انس تو گلے سے کیوں تیغ جفا لگتی کہو
حضرتِ دل اُس پری کی ہیں ادائیں سیکڑوں
پر تمھیں ہے کونسی پیاری ادا لگتی کہو
تم جو کہتے ہو لگا تو دختر رز پر نہ تاک شیخ جی صاحب تمہاری ہے یہ کیا لگتی کہو
زلف کو عارض پہ اُس کے کیوں ہلاتی ہے صبا دل پہ اک مجھ سی میرے ہے بلا لگتی کہو
جس جگہ لگتی سخن میں ہے طبیعت آپ کی
اے ظفر واں کیسی ہے فکر رسا لگتی کہو

جو کہو انصاف سے بات اک ذرا لگتی کہو لے بتو بہر خدا کچھ تو خدا لگتی کہو
حضرتِ دل تم جو لگ چلتے نہ زلفِ یار سے کیوں تمہاری جان کے پیچھے بلا لگتی کہو

قتل ہی ہونا تھا قسمت میں دگر نہ ہمدمو — کارگر کیوں دل پہ وہ تیغ ادا لگتی کہو
گر نہ ہوتا تم کو ساتھ اس برق وش کے کچھ لگاؤ — کیوں جھڑی اشکوں کی آنکھوں بارہا لگتی کہو

گو بری ہوتی نہ قسمت اور بھلے ہوتے نصیب
بات میری کیوں بری تم کو بھلا لگتی کہو !

گر نہ ہوتا دل مرا خون حسرت پابوس میں — پاؤں میں اس شوخ کے کیونکر حنا لگتی کہو

سوسن آزاد ہو یا سرو آزاد اے ظفر
انگلستاں میں نہیں کس کو ہوا لگتی کہو

تم اپنی یاد سمجھو غافلو اجل تو کرو — بلا سے کچھ نہ کرو اور یہ عمل تو کرو
بتاؤ دل میں رہو گے کہ میری آنکھوں میں — پسند اپنے لیے تم کوئی محل تو کرو

ہمیشہ کرتے ہیں اے یار تو مری مژگاں
یہ جیسے اشک فشانی تو ایک پل تو کرو

کسی کے بل پہ کرو عشق میں کوئی کام — جو رکھتے حضرت دل تم ہو اپنا بل تو کرو
رہیں نہ ہوش بجا واعظوں کے محفل میں — جو کیجے مسئلۂ عشق ایک حل تو کرو

بلا سے گر نہیں تم کرتے صلح کی باتیں
کلام مجھ سے کوئی بر سر جدل تو کرو

جنھیں سخن کا ہے دعوے ظفر کہو ان سے — کہ ایسی جلد رقم کوئی غزل تو کرو

دیگر

وہ ہے باتیں مدعا کی یوں چھپا کر جاؤ — جس طرح پاؤں کا بیڑا تم بنا کر چاب جاؤ
اپنی انگلی میں جو دانتوں میں تو وہ ہنس کر کہیں — دیکھو تم یوں کیا دباتے ہو دبا کر چاب جاؤ

کہتا ہے فرہاد سے مجنوں کہ کوہ و دشت میں
میں نے چھانی خاک تم پتھر اٹھا کر چاب جاؤ

دیکھو جس کاغذ کے پرچہ پر مراتم حرفِ راز	چاہیئے اُس کو مٹاؤ اور مٹا کر چاب جائے
دوستو تم کو جو چاہئے ہوں جو لوہے کے چیز	آؤ ان آہن دلوں سے دل لگا کر چاب جاؤ

کیا عجب کھایا کلیجہ حضرتِ غم آپ نے
تم تو وہ ہو ہڈیاں غصہ میں آکر چاب جاؤ

اُن کی آنکھوں سے کرے بادام ہمچشمی اگر	اس کو کیا ہی ظفر سبکو دکھا کر چاب جائے

دیگر

ہماری آہ کا جس راگ میں شرار ہو	وہ جلکے خاک ہو روشن نہ پھر دوبارا ہو
مزار کوہکن و قیس میں ہمیشہ ہو یوں	کہ اُس پہ خار ہوں اور اس پہ سنگ خارا ہو

لڑی رہی نظرِ فتنہ کی تری جانب
کہ دیکھیں چشمِ مفتن سے کیا اشارا ہو

کہو نہیں کیونکہ اُسے نعل کفش پا تیرا	کہ جب تلک مہ نو میں کوئی ستارا ہو
وہ ماہ پارہ دکھائے جو اپنا جلوۂ حسن	کتان کی طرح دل ماہ پارا پارا ہو

وہ دشمنوں کو حرارت جواب بتاتے ہیں
کہیں نہ رات کے آنے کا یہ حرارا ہو

ظفر وہ کون دانا جہاں میں کہ جسے	اس آسیائے فلک نے نہ پیس مارا ہو

میرا غمنامہ نہاں تک پہونچ جاوے تو کیا ہو
خوشی کی نامہ بر وہاں سے خبر لاوے تو کیا ہو !

ستاتے کیا ہو تم ہر دم کہ لو اب ہم تو جاتے ہیں
یہ سُنکر جان سے کوئی گذر جاوے تو کیا ہو

دلِ شامت زدہ کیوں چھیڑتا ہے زلف کو اُس کی
ابھی برہم وہ ہو کے تجھ پہ جھنجلاوے تو کیا ہو

مجھاتے ہیں ہم اپنی سوزش دل آب گریہ سے
یہ دل میں آگ دونی اور بھڑکا وے تو کیسا ہو

ہوا حال ایسا اپنا سن کے اُس کے حسن کا شہرہ
خدا جانے کہ وہ صورت جو دکھلا وے تو کیسا ہو

نہ چل اے فتنۂ رفتار اس طرح ٹھٹھیلیوں سے تو
کہ ناحق خاک میں کوئی جو مل جاوے تو کیسا ہو

ذرا دم لینا جب ہو ناگوارا اُس صید افگن کو
اگر یہ صید ناوک جو زدہ چلاوے تو کیسا ہو

چلے تو ہیں چمن کو ہم کہ جل کر جیکو بہلائیں
وہاں بھی گر دل دیوانہ گھبرا دے تو کیسا ہو

جلایا تو ہے تم نے دل ہمارا آتش غم سے
یہ آہ آتشیں سے آگ برسا وے تو کیسا ہو

جو یہ بیزار ہو مجھسے خفا ہو نام سے میرے
وہ میرا ذکر محفل میں جو سن پاوے تو کیسا ہو

ظفر اس واسطے کہتا ہوں دل کو دے سمجھ کر تو
کہ دیکر دل اُسے پھر جی میں پچھتاوے تو کیسا ہو

دیگر

اُس کو مجرا خشک تھا جس کا تہِ خنجر گلو
کر رہا تھا آب خنجر سے وہ اپنا تر گلو

حلق پر اُس کے چھری ہو اور بنا اُن کا سر
ہائے چومے فاطمہ کس رجس کا پیغمبر گلو

جو رہے زخموں سے سر اور تھے مجروح
سینہ پہلو دست باز و شانہ عارض سر گلو

پیاس سے بولا نجاتا تھا تو بابا جان کو
کہہ دکھاتا تھا زباں گا ہے علی اکبر گلو

تھا یہ احوال سکینہ تفتہ دل تفتہ جگر　　تشنہ لب تشنہ دہاں اور خشک سر تا سر گلو
کہتی تھی رو رو کے یہ بانو کہ ہے ہے آب　　تر ہوا لہو سے تیرا اے مرے اصغر گلو
جاتے تھے اس طرح عابد ظالموں کی قید میں !
ریسماں در دست و نازک طوق و نازک تر گلو
ہو سوا ابن علی کے کس کا ایسا حوصلہ　　جو رضائے حق میں دے نیچے چھری کے دھر گلو
اے ظفر اشک مسلسل سے غم شبیر میں
حشر کو ہو ویں گے ہم تسبیح گوہر در گلو

دیگر

موت منظور مری اپنی نظر پر رکھو　　دیکھو احسان نہ قضا کا مرے سر پر رکھو
وصل کی رات نہ باتوں ہی میں گذار دو ساری　　بس گلے ہو چکے گریہ تو سحر پر رکھو
اے ستم دیدہ پہ تم رحم کرو یا نہ کرو
پر ذرا کان تو فریاد جگر پر رکھو
دشمن خانہ خراب ایک نہ آنے پائے　　تم جو دربانوں میں اپنے مجھے در پر رکھو
کچھ تو آنسو مرے کچھ جائیں اگر لطف سے تم　　آستیں اپنی مرے دیدۂ تر پر رکھو
رشک خورشید قیامت ہو وہ چھالا جسکو
اپنے تم سوختہ کے داغ جگر پر رکھو
گر قدم رنجہ کرو راہ عنایات سے یاں　　تم قدم آنکھوں پہ رکھو مرے سر پر رکھو
دم بھی لینے کی نہیں ضعف سے طاقت اسکو
تہمت نالہ تم اپنے ظفر پر رکھو

چمن میں دیکھے نگار ہیں جو اُس نگار کے پاؤں
کہے صبا کہ ہیں واہ کیا بہار کے پاؤں !

نصیب ہو اگر اُس رشکِ گل کی پابوسی
کروں ہزار کی منت پڑوں ہزار کے پاؤں

شکار گاہ میں آئے جو وہ شکار افگن
تو کیا مجال کہ پھر اُٹھ سکیں شکار کے پاؤں

خطا ایک پہنچے کسی کا تو بجھا وہاں روز
قلم ہوں چار کے ہاتھ اور قطع چار کے پاؤں

نگاہِ مست تری گر پڑے نہ دل پہ کہیں
نشے میں کرتے ہیں لغزش شراب خوار کے پاؤں

ظفر اُگے ہے وہاں سے ہمیشہ گل مہندی
جہاں تھے دھوئے حنا بستہ میرے یار کے پاؤں

ستم اور بھی مجھ پر وہ چند کر لو		مگر میرے دل کو رضا مند کر لو

مطلعِ ثانی

جو لب بر گل ہیں شکر خند کر لو		ملا کر گل و قند گلقند کر لو !
کرو بند دیکھو نہ غنچہ کو اپنے		ہمیں سے کہو آنکھیں تم بند کر لو

وہ جھوٹا ہی منظور ہے مجھے حضرتِ دل
کہ باور تم اُس کی نہ سوگند کر لو

یہ دیوانہ چلتا ہو دشت جنوں کو		کہو بیڑیوں سے مجھے بند کر لو
کہا عشق سے قیس نے بعد میرے		کہ قبلہ مجھے اپنا فرزند کر لو !

جو باندھیں کمر فقر پر ان سے کہہ دو !
توکل کو اپنا کمر بند کر لو !!

جو پھٹ جاوے دل پھر سیا جائے کیونکر		نہیں بیرہن وہ کہ پیوند کر لو !

وہ آئیں نہ آئیں مگر اے ظفر تم
اس امید میں دل کو خرسند کر لو

دیگر

آؤ گھر میرے اے صنم آؤ — تمھیں اللہ کی قسم آؤ
قاصدو لاؤ جلد خط کا جواب — ایک دم جاؤ ایک دم آؤ

اے بتو میرے خانۂ دل کو
دیر تم سمجھو یا حرم آؤ

ہوگیا غیر سے زیادہ ربط — کیوں نہ اب میرے پاس کم آؤ
بیٹھے ہیں منتظر تمہارے ہم — تم اٹھا کر ذرا قدم آؤ

کس نے تم کو کہا کہ حضرتِ عشق
لے کے تم اتنے رنج و غم آؤ

دیکھوں میں کب تلک تمہاری راہ — آ گیا آنکھوں میں میرا دم آؤ
ابر کی طرح خاک پر میری — تم کبھی تو بچشم نم آؤ!

تم خفا دو گے ساتھ عاشق کے
نہیں امید دو قدم آؤ!

حکم اس بزم میں یہ ہے جوں شمع — شام کو جاؤ صبحدم آؤ!
کشمکش دل میں ہو اگر تاثیر — کیوں کہیں تم کو منہ سے تم آؤ

لکھو اک ادق قافیوں میں غزل
لو ظفر کاغذ و قلم آؤ!!

آؤ اے مہرباں ادھر آؤ — تم چلے ہو کہاں ادھر آؤ
سیرِ گریہ سے ہے اگر منظور — سیرِ آبِ رواں ادھر آؤ

تودۂ دل یہ خوب ہے بے مشق — لیکے تیر و کماں اِدھر آؤ
مجلسِ دیر و مغاں میں مجھتے ہی — کہتے پیر و مغاں اِدھر آؤ
بدگمانی ہے تو نہ آؤ تم — گر نہیں کچھ گماں اِدھر آؤ
اتنی تاثیر ہے کہاں کہ جو تم — سن کے میری فغاں اِدھر آؤ
دیکھو کیا میرے دیدۂ خونبار — آج ہے گل فشاں اِدھر آؤ
بوسے دینے تو جاؤ غیر کے پاس — دینے کو گالیاں اِدھر آؤ
خانۂ دل کو سمجھو اپنا گھر — ہے یہ خالی مکان اِدھر آؤ
اتنی فرصت کہاں رقیبوں سے — کہ جو تم اک زماں اِدھر آؤ
آگئی جاں میرے ہونٹوں پر — اب تو اے میری جان اِدھر آؤ

اے ظفر میرے دردِ دل کی تم
گر سنو داستاں اِدھر آؤ

صفا میری طرح سے کس کا اے دل ہے منہ دیکھو
مثالِ آئنہ یہ اب تو اس قابل ہے منہ دیکھو
تماشا قدرتِ حق کا ہے اُس کے حسن کا جلوہ
مقابل اُس کے ہو سکتا مہِ کامل ہے منہ دیکھو
مرا ایل طبیعت کچھ جتاتے ہیں جو یار اسکو!
تو وہ ہنس کر کہے ہے میرا یہ مائل ہے منہ دیکھو
تہِ تیغِ ستم جس طرح میں بیتاب ہوں ظالم
تڑپنا اس طرح کب طائرِ بسمل ہے منہ دیکھو
شہیدِ ناز کو ہے سر خود منظور دکھلانا!
کفن کو کھول کر کہتا ہے وہ قاتل ہے منہ دیکھو
کہیں تم جل نہ جانا حضرتِ دل مثلِ پروانہ

دکھاتا شمع ساں وہ رونق محفل ہے منہ دیکھو

ظفر رکھا تو ہے تم نے قدم راہِ محبت میں !
کوئی طے تم سے ہوتی عشق کی منزل ہے تو منہ دیکھو

دیگر

مجھ سے تم کیا دلِ محزوں کی خبر پوچھتے ہو
مہرباں دل ہی سے کچھ پوچھو اگر پوچھتے ہو

ہو گیا اور زیادہ وہ کشیدہ ہم سے
دوستو کیا کششِ دل کا اثر پوچھتے ہو

نفع سودائے محبت میں ہے جیسا نقصان
اس میں کیا حضرت دل سود و ضرر پوچھتے ہو

بات بھی میری نہیں پوچھتے اور غیر سے تم
کنجِ تنہائی میں تم دو دو پہر پوچھتے ہو

اس کا گھر دل میں تمہارے ہے ارے بے خبرو
ہم سے پوچھو اگر اس یار کا گھر پوچھتے ہو

جان کر ہوتے ہو نادان کہ تم جو ہم سے
باعثِ دردِ دل اور دردِ جگر پوچھتے ہو

قطعہ

غافلو ہو کہ نہو تم کو سفر میں کچھ سود ساعتِ نیک منجم سے مگر پوچھتے ہو
نیک جب جاتے ہو دنیا سے سوئے ملکِ عدم نہ کوئی دن نہ کوئی وقت نہ تم پوچھتے ہو

اور ہوتا ہے مزاج اس کا زیادہ برہم
کیوں مزاج اس بتِ بدخو کا ظفر پوچھتے ہو

دیگر

خط لکھ کے بھیج دوں کہ اُسے کچھ خبر تو ہو
پر کوئی میسّر خط کے لیے نامہ بر تو ہو

کیا آہ کو بنائیں قلم بہر مشقِ غم
کچھ پہلے روشنائے درد جگر تو ہے

میں اُس گلی میں بیٹھ رہوں مثل نقش پا !
پر جائے بیٹھ رہنے کو بالشت بھر تو ہو

ایماں ابھی اس کو دیدوں مگر مجھ سے وہ صنم
گمراہ ہو رہا ہے ذرا راہ پر تو ہو !

سو فتنہ وہ اٹھائے مگر جیسا فتنہ گر
دل چاہتا ہے دلبا کوئی فتنہ گر تو ہو

کیوں کھینچے ابھی سے ہو سینہ سے اپنا تیر
رہنے دو اس کا دل میں ذرا میرے گھر تو ہو

میں اک نظر یہ نذر کروں اس کے جان و دل
لیکن یہ چشم یار کی مدِ نظر تو ہو !!

ہو جائے کیوں کہ موم دل اے سنگدل ترا
اس آہ بے اثر میں ابھی کچھ اثر تو ہو

تھوڑی سی بھی گر ظفر کی سنی داستانِ غم
اُس کی نشست ایک جگہ دو پہر تو ہو

مصحف رخسار پہ کافر ترے گیسو ہیں دو — ہے تماشا حافظ قرآں ہوئے ہندو ہیں دو
ان کو تیغ اصفہانی اور خراسانی کہاں — پہونچتی ہے یہ جو اے قاتل ترے ابرو ہیں دو

کیوں نہ ہو کشت امید دل اُن آنکھوں سے تمام
کھیت میں تنکا نہ چھوڑیں یہ تو وہ آہو ہیں دو

اس سہی قامت کے پستاں ہیں طلسم طرفہ تر — ایک نخل سرو میں پیدا ہوئے ہندو ہیں دو
دل کو اک تسکین سی ہو جائے ہے وقت اضطراب — جبکہ آنکھوں سے ٹپک پڑتے کبھی آنسو ہیں دو

درد دل ہے اک طرف درد جگر ہے اک طرف
درد فرقت میں بھی ہم درد ہم پہلو ہیں دو

اس خراب آباد میں بستے ہیں دونوں نیک و بد — صلح جو بھی ہیں ظفر دو گر ستیزہ جو ہیں دو

دیگر

اٹھاؤ ہاتھ بس اب شیوۂ جفا سے ڈرو — کہ ظلم خوب نہیں اے بتو خدا سے ڈرو
بکھیر دو زلف کو اُس کج ادا کی حضرت دل — بُری بلا ہے یہ کافر تم اس بلا سے ڈرو

مبادا پھونکدے کچھ کان میں گلو کے یہ
چمن میں دیکھو تم اے بلبلو صبا سے ڈرو

جو دل میں آئے سو کہدو تمھیں ہے ڈر کس کا — کہ آشنا سے نہ تم غیر آشنا سے ڈرو
نگاہ یار سے تم ہو نڈر نہ بلہوسو — جو ڈر ہے جان کا تو اس ناوک قضا سے ڈرو

جو باغباں کا ہے کھٹکا تمھیں طیور چمن
تو کھڑکے ایک بھی پتا اگر ہوا سے ڈرو

وہ لے ہی جائیں گے اک پل میں چھین کر دلکو — ظفر ڈرو نگہ شوخ دلربا سے ڈرو

دیگر

تم نہ شب کو آکے میرے متصل بیٹھا کرو — رات کو لگتی ہے تہمت دن کو مل بیٹھا کرو
داغ پر دل ماہ تاباں رشک سے ہوتا ہے رات — منہ پہ کاجل کا بنا کر تم نہ تل بیٹھا کرو

تم سے کچھ کرتا نہیں میں شکوۂ ظلم و ستم

بیٹھتے ہو خود بخود گر منفعل بیٹھا کرو

خاک میں مل جائیں گے ہم دیکھو دست غیر سے　　تم نہ محفل میں لگا کر عطر گل بیٹھا کرو
بیٹھے ہو گر تم عدو سے سنگدل کو لیکے تنگ　　رکھ چھاتی پر ہمارے ایک سل بیٹھا کرو
کچھ ہنسا بولا کرو آیا کرو گر میرے پاس
میرے پہلو میں نہ تم آزردہ دل بیٹھا کرو
کون اٹھا سکتا ہے تمکو کوئی جاناں سے ظفر　　شوق سے اُس در پہ ہو کر مستقل بیٹھا کرو

دیگر

جاتے ہو تم اک بوسہ تم دیکے چلے جاؤ　　آسان نہیں یوں ہیں دل لیکے چلے جاؤ
گھر اپنا ہی یہ سمجھو گو بے طلب آئے تم　　ہم منہ سے نہیں تم کو کہنے کے چلے جاؤ
گر اپنی نشانی تم چھلا نہیں دے جاتے
تو گل ہی ہمیں دیکر چھلے کے چلے جاؤ
بازار میں ہستی کے اے غافلو آ کر تم　　جھگڑے نہ نکالو تم لے دیکے چلے جاؤ
اے زاہدو اس بت کا گر دیکھو تم اک جلوہ　　بتخانہ کو دھوکے میں کعبے کے چلے جاؤ
شکل اچھی کہاں سے ہو طالع جو نہ اچھے ہوں
یوں قرعہ نہ رمالو تم پھینکے چلے جاؤ
کعبہ ہو کہ بتخانہ سجدہ میں ظفر اُس کے　　ماتھے کو زمیں پر تم ہاں ٹیکے چلے جاؤ

یارو کچھ اگر خط میں ہو تحریر تو پڑھ لو　　یہ کیونکہ کہوں میں خط تقدیر تو پڑھ لو
تم ذبح کرو صید محبت کو جو اپنے　　یہ تم کو مناسب ہے کہ تکبیر تو پڑھ لو
اکسیر تو موقوف ہے قسمت پہ عزیزو
پڑھتے ہو اگر نسخۂ اکسیر تو پڑھ لو
تصویر کو کہتے ہو مرے کس کی ہے تصویر　　گر نام مرا ہے سر تصویر تو پڑھ لو
رے سنبھلو اتنی نکرو مرنے میں جلدی　　منہ سے کلمہ تم تہ شمشیر تو پڑھ لو

پیدا ہو خطِ مصحفِ رخسار پہ اُس کے　　اے حضرتِ دل پڑھتے ہو تفسیر تو پڑھ لو
تم اے ظفر اُن کے لئے کوئی عملِ حب
کچھ رکھتے زباں میں جو ہو تاثیر تو پڑھ لو

کہے جو عدو سچ خفا نا کرو　　برا مانتے ہو تو مانا کرو
سرائے دل و خانۂ چشم میں　　تم اپنا کہیں تو ٹھکانا کرو
رکھو طاق پر اپنی یہ دوستی
نہ دشمن مرا اک زمانہ کرو
خبر ہے مجھے تم چلے ہو جہاں　　عبث اب نہ مجھ سے بہانا کرو
کہے ہے مجھے دشت میں یہ جنوں　　کہ اب تم یہاں خاک چھانا کرو
لگاتے ہو گر اپنا تیرِ نگہ
تو دل کو ہمارے نشانا کرو
ظفر گر نہیں ہے کوئی نامہ بر　　تو آنسو ہی اپنا روانا کرو!

دیگر

وہ تیرے عارضِ تاباں ہیں پریوش دونو
دیکھ کر جن کو مہ و مہر بھی ہوں غش دونو

مطلع ثانی

تیری زلفوں کی دل و جان ہیں بلاکش دونوں
رہیں کیوں کر نہ پریشان و مشوش دونوں
دو ہیں چشمِ سیہ مست کے تیرے ساقی
رہتے اک حال میں ہیں صوفی و میکش دونوں

وہ بلائیں گے تم کو گھر میں ظفر   تم سرِ آستاں کھڑے تو رہو!

ردیف الہائے مختفی

باعثِ سوزِ جگر کوئی جو داغ آیا ہے ہاتھ
وہ اندھیری گور کا اپنی چراغ آیا ہے ہاتھ

چشم نرگس زلف سنبل سرو قد رخسار گل!
یار کیا آیا ہے ہاتھ اپنے کہ باغ آیا ہے ہاتھ

جستجو مدت سے تھی ہم کو دلِ گم گشتہ کی
زلف کے پیچوں میں پائے اب سراغ آیا ہے ہاتھ

دیدۂ حسرت جس کو دیکھتا ہے جامِ جم
ہاتھ سے ساقی کے اپنے وہ ایاغ آیا ہے ہاتھ

کر کے چاک اپنا گریباں روؤں میں جی کھول کر
اب تو وحشت میں مرے دامانِ راغ آیا ہے ہاتھ

کیا کہوں بیدولتی اور بدنصیبی اپنی میں!
جب ہما پر ہاتھ ڈالا ہے تو زاغ آیا ہے ہاتھ

عشق کی دولت سے کیوں کر ہو نہ دل اپنا غنی
ملکِ وحشت ہاتھ آیا نقدِ داغ آیا ہے ہاتھ

میرے حالِ بد کے سننے کا نہیں اُس کو دماغ!
دلربا قسمت سے کیا نازک دماغ آیا ہے ہاتھ

ہاتھ دنیا سے اُٹھایا ہے جنھوں نے اے ظفر
رہتے ہیں وہ با فراغ اُن کو فراغ آیا ہے ہاتھ

[illegible]

نشے میں حسن کے ایسی ہے جیسے مست کی آنکھ

جہاں ہے گھر ہی میں روشن گہر کے بیش نظر
کرے ہے سیر ہمیشہ بلند و پست کی آنکھ

خدنگ حسرت دلدار کو ترے منظور !!
نشستہ ہو تو جگہ خوب ہے نشست کی آنکھ

جہاں میں جن کو حکومت ہے اُن کو نیند کہاں
کہ لگنے دیتی نہیں فکر بند و بست کی آنکھ

لگائے دیکھیے کب تیر وہ کمان ابرو
لگائی صید محبت نے سمت شست کی آنکھ

دکھائے محتسب پر طمطراق ہزار !!
کوئی جھپکتی ہے رند قدح بدست کی آنکھ

گیا ہے ٹوٹ ظفر دل کہ ہے یہ اشک نہیں
بجرم بادۂ دل سے خبر شکست کی آنکھ !

اگر وہ لے دل پر اضطراب ہاتھ پہ ہاتھ   تو ساتھ جان بھی دے دیں شتاب ہاتھ بہ ہاتھ
نصیب ہم کو نہ ہو بوسہ اور ترے لب تک   ہمیشہ پہنچے یہ جام شراب ہاتھ بہ ہاتھ

صد آفریں تجھے قاصد کہ لایا لکھوا کر !
ہمارے خط کا تو اُن سے جواب ہاتھ بہ ہاتھ

مزا تو جب ہو کہ یہ گرم گرم اے مے نوش   دل برشتہ کی ہوں یخنیں کباب ہاتھ بہ ہاتھ
خطا ہے کیا مرے دل کی کہ باندھتی ہیں مشکیں   تمہارا طرہ پر پیچ و تاب ہاتھ بہ ہاتھ

جہاں میں ہیں وہ کہاں جوہری کہ لے جائیں !
ہمارے اشک کا دُر خوش آب ہاتھ بہ ہاتھ

ظفر ہوا ترے دیوانہ کا اک جہاں مشتاق   ہزار کوس گئی یہ کتاب ہاتھ بہ ہاتھ

دیگر

جو ابرو ہے شمشیر و خنجر کا نقشہ   تو ہے چین ابرو بھی جوہر کا نقشہ
مرا اور محبوبوں کا ہے ایک عالم   برابر کی صورت برابر کا نقشہ
نہیں ماہ کنعان سے کم اے عزیزو
مرے دلبر ماہ پیکر کا نقشہ!
مری چشم تر کی تھی چشمہ کی صورت   پر اب ہے بعینہ سمندر کا نقشہ
یہ پہلو و سینہ مشبک نہ سمجھو   دل مردہ کے ہے مجمر کا نقشہ
جو ہے اُس کی گردن صراحی کی صورت
تو ہے چشم میگوں بھی ساغر کا نقشہ
جسے قصر جنت بتاتا ہے زاہد   کسی حور وش کے ہے وہ گھر کا نقشہ
نہیں بات کوئی بھی خالی ستم سے   یہ ہے ان دنوں اُس ستمگر کا نقشہ
اوتارے ہے کلک خیال اپنا دل پر
ہمیشہ ظفر اپنے دلبر کا نقشہ!

دیگر

مژگاں ترے سنان اور تیر کا نمونہ   ابرو ترے کمان و شمشیر کا نمونہ
آہنگر ولی سے کہہ دے دکھلا کے زلف اپنی   سودا زدوں کی یہ ہے زنجیر کا نمونہ
وہ خاک کیا بظاہر ہے سرمہ جو اُدھر
پر دیکھو غور سے ہے اکسیر کا نمونہ!
تو اور ماہ کنعان کیا حسن میں ہیں یکساں   دونوں کی ایک سا ہی تصویر کا نمونہ
آنکھوں کا تیری سرمہ ہو وہ بلا کہ ظالم   تیغ اجل ہے جس کی تحریر کا نمونہ
لو ہو گیا ظفر وہ آرزدہ تم نے دیکھا!

اس نالہ و فغاں کی تاثیر کا نمونہ !!

کوچے میں اپنے دے وہ صنم مجھ کو گر جگہ
باقی رہی نہ سجدہ سے بالشت بھر جگہ

دل سے نہیں نکلتا کسی طرح تیر غم
پکڑی ہے اس نے چارہ گرو اسقدر جگہ

وہ کون ہے کہ جس کے لئے یہ شارع نہر
جاروب لے کے جھاڑے ہے وقت سحر جگہ

کھٹکے سے باغبان کے چمن میں نہیں رہی
بلبل کے بیٹھنے کے لئے شاخ پر جگہ

آ بیٹھا میرے دل میں خدنگ نگاہ یار
بہتر جو اس سے کوئی نہ آئی نظر جگہ

دیر و حرم میں جا کے اُسے شیخ و برہمن
کیا ڈھونڈھتے ہیں وہ تو ہے موجود ہر جگہ

تکیہ بنا کے بیٹھے رہیں ہم فقیر وار
ہاتھ آئے کوئے یار میں گر اے ظفر جگہ

دل کو اُلفت سے جو اُس تیر کے پیکان کے ساتھ
نہیں جائے گی اگر جائے گی تو جان کے ساتھ

یوں ہی اُس زلف سے مانوس دل آشفتہ
جیسے ہو انس پریشاں کو پریشاں کے ساتھ

ناخن دست جنوں کی ہے یہی گر تیزی
چاک ہو جائے گا سینہ بھی گریباں کے ساتھ

کفر و دیں دونوں سے ہے مذہب عشاق جدا
نہ وہ کافر کے ہیں ہمراہ نہ مسلمان کے ساتھ

لے گئے درد و غم و داغ کو وہ ساتھ اپنے
گئے دنیا سے ترے شیفتے سامان کے ساتھ

زلف کو مصحف رخسار سے اپنے سرکا
کہ وہ ہندو اُسے کیا کام ہے قرآن کیساتھ

رنج و راحت سے نہیں کوئی الگ دنیا میں
یہ تو دونوں ہیں ہمیشہ ظفر انساں کیساتھ

دیگر

ہر شب تری گذرتی ہے عیش و طرب کیساتھ
ہوتے ہیں دن بسر مرے رنج و تعب کیساتھ

جاتے ہیں کوئی چھیڑ کے ہم کوے میفروش
تاک اپنی ابتو لگ گئی بنت العنب کے ساتھ

مرقد یہ تیرے عاشق وحشی مزاج کی
مجنوں جو آئے ہے تو کمال ادب کے ساتھ

گر جانتے کہ ہو دیں گے ہم تنگ اسقدر
دل کو نہیں لگاتے اس غنچہ لب کے ساتھ

دشمن کی بھی ہو گر خبر مرگ گوش زد
اے دوست تو نہ خوش ہو کہ ہر یہ تو سب کیساتھ

ہم رکھتے جن سے چشم عنایت ہیں ہے ستم
وہ ہم کو دیکھتے ہیں نگاہ غضب کے ساتھ

نے کچھ غرض کسی سے نہ مطلب کسی سے ہے
ہم کو جو کام ہے تو ظفر رب کے ساتھ

دیگر

کوئی یہ شور ہے یا برق یا شرار ہے یہ
دل اپنا کیا ہے الہی کہ بیقرار ہے یہ

غضب ہے ابروے پر خم تری عرق آلو
ہمارے قتل کو شمشیر آبدار ہے یہ

چمن میں نیم شگفتہ ہے غنچۂ و لالہ!
کہ لال لال کوئی چشم پر خمار ہے یہ

ہمیشہ دیکھتے ہیں سر فرو فلک کو ہم — ملایا خاک میں کیا ہم کو شرمسار ہے یہ
ہمارے سینہ پہ داغ کو وہ رشک چمن — جو دیکھے آکے تو کیا خوب لالہ زار ہے یہ
ہزار جاں نثار اپنی ہم نے کی لیکن
بجا نا اُس نے کہ شیدائے جاں نثار ہے یہ
ہمارے دل کو ترے رخ پہ دیکھ کر خط کو — جنون کیوں نہ ہو فصلِ نو بہار ہے یہ
خیال دل کو ہے ہر وقت تیرے مژگاں کا — وہ میرے واسطے ہوتا ہمیشہ خار ہے یہ
برنگ نقش کف پا تمہارے کوچہ میں
ظفر پڑا نہ رہے کیونکہ خاکسار ہے یہ

ہر جگہ ایک نیا رنگ ہے اللہ اللہ — واہ کیا جلوۂ نیرنگ ہے اللہ اللہ
کوئی صورت نہیں ایسی کہ پسیجے کافر — دل صنم کا ہے کہ کیا سنگ ہے اللہ اللہ
تیرے دنداں مسی زیب کی کافر ہر ریخ
کیا ہی زیب دہن تنگ ہے اللہ اللہ
تیرا اس میکدہ میں اے بت سرخ رو — کچھ عجب رنگ عجب ڈھنگ ہے اللہ اللہ
ننگ اور نام سے میں عشق میں جس کے گذرا — نام سے میرے اُسے ننگ ہے اللہ اللہ
کیا ترا چہرۂ پُر نور ہے سبحان اللہ!
کیا ترا طرۂ شبرنگ ہے اللہ اللہ
رگ گل رگ سے لے تا بزبان ہر خار — سب یہ گلشن میں اک آہنگ ہے اللہ اللہ
برگ گل بھی تھا گراں جنبش تن نازک کو — ان کی چھاتی پہ فلک سنگ ہے اللہ اللہ
چھوڑ کر اُس بت کافر کے ظفر در کا طواف
آپ کو کعبہ کا آہنگ ہے اللہ اللہ

یوں ترے رُخ کا لیا میں نے مرجاں بوسہ　　جیسے قرآن کا لیں صاحبِ ایماں بوسہ
میں وہ مجنوں ہوں کہ رکھتے ہی بیاباں میں قدم　　پانوں کا لے ہے مرے خارِ بیاباں بوسہ
منہ لگا کر جو اُسے تو نے لیا ہے گستاخ
لے ہے عارض کا ترے زلفِ پریشاں بوسہ
جائے خوشبو نہ مرے منہ سے جو تو نے خواب میں بھی　　گل رخسار کا وہ رشکِ گلستاں بوسہ
کافرِ عشق درِ یار کو یوں چومتے ہیں　　جیسے لیں سنگ کا کعبہ میں مسلماں بوسہ
کیوں نہ ہو مجھ سے سیہ بخت کا دل رشک سے خون
لے ترے لب کا جو رنگِ مسی و پان بوسہ
اے جنوں ہاتھ سے آخر ترے [illegible]　　لیگیا دامن کا مرے چاک گریباں بوسہ
ہے لبِ زخمِ جگر کو یہ تمنا میرے　　دیدے اک اور بھی وہ خنجرِ براں بوسہ
اُس کا خط دیکھ کے آتا ہے یہ دل میں میر
دستِ کاتب کا ظفر لوں کسی عنواں بوسہ

دیگر

ہم دیکھ چکے خوب تماشائے زمانہ　　اچھا ہے جو کچھ اور نہ دکھلائے زمانہ
کس وجہ نہ ہو دیکھے آئینہ کو حیراں　　وہ شوخ کہ ہے حسن میں یکتائے زمانہ
کیا ہووے کوئی ساغرِ عشرت کا طلبگار
خالی ہے مئے عیش سے مینائے زمانہ
نکلا دلِ بیمار کے حق میں ملک الموت　　ہم جانتے تھے جس کو مسیحائے زمانہ
ہووے نہ شمار انجم افلاک پر انکا　　ہیں اتنے ستم ہم نے سہے ہائے زمانہ
ہر روز خراشِ فلکِ دوں سے زمیں پر
دانوں کی طرح پستے ہیں دانائے زمانہ
بیناں جو نظر سے ہو وہ مدہوش تو کیونکر　　تاریک نظر میں مرے ہو جائے زمانہ

اتنا ہی ہوا حسن میں وہ شہرۂ آفاق بڑھتے ہوئے ہم عشق میں سوائے زمانہ
ڈھونڈو تو زمانہ میں نہیں مہر و محبت
کس طرح کا آیا ہے ظفر ہائے زمانہ

دیگر

کہوں کیا جوشش اشکوں کا معاذ اللہ معاذ اللہ
امنڈ آیا ہے اک دریا معاذ اللہ معاذ اللہ
شکایت کس سے کی میں نے بلا تو سامنے اُس کی
کروں گا شکوہ میں تیرا معاذ اللہ معاذ اللہ
خدا محفوظ رکھے اس بت کافر کے گیسو سے !
بلا و ناگ ہے کالا معاذ اللہ معاذ اللہ
جگر تو دیکھ تو میرا کہ اک آہ بھی میں نے
کھینچی تو نے ستم کیا کیا معاذ اللہ معاذ اللہ
لگایا ہاتھ شب میں نے جو اُس کی زلف مشکیں کو
تو وہ برہم ہوا کیسا معاذ اللہ معاذ اللہ
جو سوئے مقتل عشاق وہ محشر خرام آوے
تو کیا اک حشر ہو برپا معاذ اللہ معاذ اللہ
جو سرگرم طپش میرے دل بیتاب کو دیکھا !
تو بجلی بھی گئی تھرا معاذ اللہ معاذ اللہ !
قد جاناں کو دوں تشبیہ کیونکر نخل طوبیٰ سے
کہاں وہ قد کہاں طوبیٰ معاذ اللہ معاذ اللہ
کیا غارت ہزاروں کو ظفر دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ
بڑی آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ !

گراں ہے تم کو نزاکت سے پیراہن کا بوجھ
نہ دیکھو بازوے نازک پہ زور تن کا بوجھ !

ہزار کوہ اگر ہوں انھیں اُٹھالیں ہم !
پر اُٹھے ہم سے کیسے نہ اہل سخن کا بوجھ

فلک نہیں یہ ابھی گر پڑے جو تھام نہ لوں !
ستون آہ سے اس گنبدِ کہن کا بوجھ !

نہ ڈال بارِ غم اے چرخ اُن نحیفوں پر
کہ جن سے اُٹھ نہ سکے اپنے بھی بدن کا بوجھ

گراں ہے اس مرے گل کے دماغ نازک پر
چمن میں نکہت نسرین و یاسمن کا بوجھ

نہ تن سے دور ہو سر جب تلک نہ ہو ہلکا !
ستمگر اُس ترے شیدائی خستہ تن کا بوجھ

نہ ہوتی سر پہ یہ گٹھری ظفر گناہوں کی
بلا سے ہوتا اگر اور لاکھ من کا بوجھ

دیگر

گر میسر ہو مجھے تری جبیں کا بوسہ — میں یہ جانوں کہ لیا ماہ مبیں کا بوسہ

مطلع ثانی

لب کا دو بوسہ کہ رخسار حسیں کا بوسہ — آج دے ڈالو مجھے ایک کہیں کا بوسہ
تو جہاں رکھے قدم روے زمیں پر اپنا — اپنی ہم آنکھوں سے لیں ہاں کی زمیں کا بوسہ

جان کیا بلکہ ہم ایمان تلک بھی دیدیں
گر ملے اُس بتِ غارتگر دیں کا بوسہ

پیچ و تاب اپنے ہوا رشک کیا کیا دل کو — جب لیا زلف نے اُس روئے حسیں کا بوسہ
شرم اُس کی ہے جو مانع تو نہیں لے سکتے — ہم تصور سے بھی اُس پردہ نشیں کا بوسہ

لیتے دن بھر ہیں مزے ہم جو کہیں لیتے ہیں !
خواب میں شب ترے لعل نمکیں کا بوسہ

دیکھ کس شوق سے لیتا ہے لبِ زخم اپنا — تیری تیغِ ستم و خنجرِ کیں کا بوسہ

جب ظفر دیکھتا ہوں نام نگیں پر اس کا
جی یہ چاہے ہے کہ لے لیجے نگیں کا بوسہ

دیگر

دیکھا نہ ہو جس نے کہ جہنم کا نمونہ — دیکھے مرے آتشکدۂ غم کا نمونہ
ہے ماہِ مبیں صاف جبیں کا ترے نقشہ — اور ہے مہِ نو ابروئے پرخم کا نمونہ

آمیزشِ مشک و نمک سودہ سے جراح
بنتا ہے مرے زخم کے مرہم کا نمونہ

ساغر میں حبابِ مے گلرنگ ہے ساقی — یا دخترِ رز کی ہے یہ محرم کا نمونہ
نیساں مرے مژگانِ گہربار کا سایا — دریا ہے مرے دیدۂ پرنم کا نمونہ

محراب دو ابرو ہے درِ کعبہ کا نقشہ
ہے چشم تری چشمۂ زمزم کا نمونہ !

ہوتا جو نہیں غنچۂ تصویر شگفتہ — شاید ہے یہ میرے دلِ غم کا نمونہ
ہے ساغرِ جامِ جہاں میں مشابہ — میخانہ ہے اک سلطنتِ جم کا نمونہ

جو عرش سے تا فرش ہے سب اس میں ہے موجود
ہے اے ظفر انساں یہ عالم کا نمونہ

ورد دیتے ہیں اسی دخوش آئین کا ساتھ — ترک کرتا نہیں دنیا میں ہو جو دین کا ساتھ

ہیں رفیق اپنے غم و رنج و الم یاس و تعب   ہم کو بھاتا ہے ہمیشہ انھیں دو تین کا ساتھ
ہے تماشا نگہ یار کہ دل ہے ہمراہ   ورنہ کر سکتا کبوتر نہیں شاہین کا ساتھ

خوشنما اس لب لعلیں پہ ہے یوں سرخی پان
جیسے رنگیں کو خوش آئے ہے رنگین کا ساتھ

سینہ کوبی نہ سمجھ اس کو دم آہ و فغاں   مطرب غم نے پکھاوج سے کیا بین کا ساتھ
نہ رہا یار نہ غمخوار نہ مونس نہ رفیق   مگر اک غم نے دیا عاشق غمگین کا ساتھ

زلف پر پیچ نہیں عارض جاناں پہ ظفر
چمن حسن میں ہے سنبل و نسرین کا ساتھ

دل کو وہ رنج دے آمین اللہ   اور یہ سب سہے آمین اللہ
کوسا اس دشمن جاں نے جو مجھے   دوست کہنے لگے آمین اللہ
تجھ سے آنکھیں ہے ملاتا آہو   تنکے چنتا پھرے آمین اللہ
آمین آمین ابھی ہو جائے وہ یہاں   مہربانی کرے آمین اللہ
تیرے آنے کی خبر سن بلبل   باغ میں بول اٹھے آمین اللہ
جو کہ عاشق کو جلائے جوں شمع   وہ بھی جلتا رہے آمین اللہ
محتسب تو نے خم مے توڑا!   ہاتھ ٹوٹیں ترے آمین اللہ
اپنے مرنے کی دعا گر مانگوں   وہ ستمگر کہے آمین اللہ

جو ستائیں مجھے ان کو بھی ظفر!
عوض اس کا ملے آمین اللہ!

دیگر

ہم اٹھائیں کیوں ستم ان کے ہمیں کیا واسطہ   یہ تو ہے اے حضرت دل سب تمہارا واسطہ
نے کوئی ہو وہ دوست نے کسی کے واسطے   جو ہے دنیا میں سو ہے اے دوست اپنا واسطہ

ہاتھ اُٹھائے وہ بت کافر نہ میرے قتل سے
دے اُسے ساری خدائی گر خدا کا واسطہ

کر دیا دشمن وہیں میرا محبت نے مری　　دشمنی کا میری اُن سے اور کیا تھا واسطہ
جان دیتا ہے جو تیرا اس طرح یہ نیم جاں　　نیم غمزہ کا تمہارے یہ ہے سارا واسطہ

آ چکی ہے لب پہ جاں تیرے مریضِ عشق کی
کوئی دم کا ہے اے رشکِ مسیحا واسطہ

اے ظفر وہ یک بیک کیوں مجھ سے آزردہ ہوئے　　مجھ سے کچھ کھلتا نہیں ہے کیا سبب کیا واسطہ

دیگر

نہ رقیبوں سے تو لپٹ کر بیٹھ　　اور جو بیٹھے تو ہم سے ہٹ کر بیٹھ
تہِ گرداب عشق دل اور ہم　　گئے دونوں بہم چمٹ کر بیٹھ

کر خجل مہ کو ماہتابی پر
منہ سے گھونگھٹ ذرا اُلٹ کر بیٹھ

نہ ہوا میرے گریہ سے بھی　　جائے جو یاں تو وہ رپٹ کر بیٹھ
گوشۂ عافیت بہت ہے تنگ　　بیٹھتا ہے اگر سمٹ کر بیٹھ

سوچتا کیا ہے عشق میں اے دل
جو ہو کرنا تجھے سو جھٹ کر بیٹھ

قصد اُٹھ بھاگنے کا کر نہ ظفر　　تو جو واں بیٹھتا ہے ڈٹ کر بیٹھ

نہیں کہیں بھی تری چشم فتنہ زا کی پناہ
یہ وہ بلا ہے کہ بس اے صنم خدا کی پناہ

سوائے رنج و غم و یاس چاہ میں اُس کی
دلا نہ ڈھونڈ کسی یار و آشنا کی پناہ

پناہ مانگتا ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص!
غضب ہے تیغ ادا شوخ کج ادا کی پناہ

جفا سے تیرے نہیں ڈرتے باوفا ظالم
کہ ان کے واسطے ہے عشق میں وفا کی پناہ

بھری ہے موج ہوا ساقیا لئے شمشیر!
نہیں بجز سپر جام اس ہوا کی پناہ

بچے نگاہ سے دل تیرے کس طرح ظالم
کہ جہاں میں کہاں ناوک قضا کی پناہ

اگر قبول ہو درگاہ ایزدی میں ظفر
تو دو جہاں میں ہے کافی یہ اک دعا کی پناہ

شکل اُس نے ہمیں اگر جو دکھائی اللہ — دل میں کیا اُس بت کافر کے یہ آئی اللہ
ہو گیا مجھ سے مکدر وہ مرا آئینہ رو — دیکھیئے ہوتی ہے کس طرح صفائی اللہ

گل میں کیا خار میں کیا نور میں کیا نار میں کیا
اللہ اللہ ری تری جلوہ نمائی اللہ!

لائی بو کس گل خوبی کی ہے یہ باد بہار — کہتی ہے صلِّ علیٰ سدری خدائی اللہ
روز اڑاتا ہے وہ سر تیغ ستم سے دو چار — کس سے یہ طرز ستم اُس نے اڑائی اللہ

آ گیا آنکھوں میں دم دیکھتے ہی دیکھتے راہ
دیر قاصد نے مرے کیسی لگائی اللہ

کہتے ہیں دیکھ کے صورت کو تری صورت گر — واہ کیا تو نے یہ صورت ہے بنائی اللہ
گر نہ تھا سوز محبت کے مزے سے آگاہ — جان پروانے نے کیوں اپنی جلائی

جو مصیبت ہمیں قسمت نے دکھائی دیکھی
پر دکھائے نہ ظفر اُس کی جدائی اللہ

دیگر

ردیف یائے تحتانی

زتنہا ہم نے کی اس بت کے در پہ جبیں سائی ہے
یہ حد جا ہے جھکاتی سر جہاں ساری خدائی ہے

نہیں ہے کوئی بھی غمخوار اپنا کنج احزاں میں
اگر ہے تو غم تنہائی و درد جدائی ہے

پھنسے ہیں بے طرح ہم آنکر دام محبت میں !
بغیر از مرگ ہوتی ہم کو کب اس سے رہائی ہے

ہمیشہ مجھکو کہتا ہوں الجھ مکھلی نہ زلفوں سے
نہیں تو مانتا اے دل تری شامت ہی آئی ہے

لڑاتا ہے جو آنکھیں بزم میں تو آج غیروں سے
تجھے منظور کیا اے جنگجو ہم سے لڑائی ہے

تماشا ہے کہ ہم سے وہ تو ہیں ناآشنا بالکل
اور اپنے دل میں ہم خوش ہیں کہ ان سے آشنائی ہے

نہیں کرنے کے ہم ترک وفا ہر دم میں دم جبتک
بلا سے گرچہ اے دل اس کا شیوہ بیوفائی ہے

تو رعنا سے اپنے راستی بھی سیکھ لے ظالم
اگر زلفوں سے اپنی تو نے سیکھی کج ادائی ہے

زجو کو آج گر ہے کچھ ارادہ ہاتھا پائی کا
کہ اس نے دست و پا میں اے ظفر مہندی لگائی ہے

دیگر

جو سمجھے دوست اس دل کو وہ ہے کودن ہمیں میں سے
کہ ہے یہ تو تمہاری جان کا دشمن ہمیں میں سے

گریباں چاک جو کرتے ہیں گل گلشن میں کیا یہ بھی
ترے دیوانے ہیں اے غیرت گلشن ہمیں میں سے

ہمارے ناصح مشفق نے جب دیکھی تری صورت !

یہ اُن کی ہو گئی صورت گئے رہ بن ہمیں میں سے

اشارہ فہم تیرا کون ہے یہ فہم ہے کس کو
کوئی پہچانتا ہوگا تری چتون ہمیں میں سے

نہ پایا دیر و کعبہ میں پتا ہرگز ترے گھر کا!
اگر نکلا تو پھر نکلا ترا مسکن ہمیں میں سے

ہمیں سر بازیں دم دینے والے تیرے ابرو پہ
تہ شمشیر رکھ دیتا کوئی گردن ہمیں میں سے

ظفر جو زاہداں پاکدامن ہیں الگ بیٹھیں!
کبھی تھے اس سے پہلے یہ بھی تر دامن ہمیں میں سے

ترا دیوانہ یہ کیا آٹھ پہر روتا ہے | گاہ تکتا ہے ادھر گاہ اُدھر تکتا ہے
ترے رخسار مصفا کی طرف آئینہ ساں | ہو کے حیرت زدہ ہر ایک بشر تکتا ہے

کب گذرتا ہے وہ اس راہگذر سے اپنی!
دیر سے راہ کوئی آہ بشر تکتا ہے

غم فرقت سے ہے یہ حال کہ میرا غمخوار | منہ کو جیسا مرے بادیدۂ تر تکتا ہے
کیا کہیں حیرانکے دیکھا تجھے اے پردہ نشیں | ایک عالم طرف روزن در تکتا ہے

جبکہ تکتا ہے نشانہ کو کسا ندار مرا!
پہلے میرا ہی وہ دل اور جگر تکتا ہے

کوئی ٹھہراتا نہیں وصل کی صورت اُنسے | صورت اک ایک کی ناچار ظفر تکتا ہے

بات اُن کی جو میری بات پہ اونچی ہوئی | منہ گرمیاں میں یہ ڈالا نظر اونچی ہوئی
آنکھ اونچی جدھر لڑتی تھی اے پردہ نشیں | کبھی بے پردہ تھا دیوار اُدھر اونچی ہوئی

تیری تلوار سے ہم نے نہ بچایا سر کو

اے ستمگر کبھی اپنی سپر اونچی نہ ہوئی

ہو کے ہمچشم ہوئے چشم سے کس کے یہ خجل — آنکھ نرگس کی جو یاد سحر اونچی نہ ہوئی
ترے بیمار جدائی کا ہے یہ ضعف سے حال — چاہا بستر سے ہو اونچی مگر اونچی نہ ہوئی

چرخ تک پہونچتے پر ضعف نے یہ پست کیا
کہ ذرا سینہ سے آہ جگر اونچی نہ ہوئی

تیغ قاتل کے تلے سر نہ جھکایا جس نے — اُس کی پھر شام سے گردن ظفر اونچی نہ ہوئی

دیگر

ہوئے خسروان جہاں اچھے اچھے — نہ اب وہ نہ اُن کے مکاں اچھے اچھے
کہوں کس سے بیمہریاں اس فلک کی — کہ سب اُٹھ گئے مہرباں اچھے اچھے

ہماری محبت کی تھی قدر جنکو
وہ کیا لوگ تھے قدرداں اچھے اچھے

یہ پیر فلک وہ ہے جس کے ستم سے — گئے خاک میں مل جواں اچھے اچھے
لڑیں کیا زمانہ سے کشتی کہ اس نے — پچھاڑے بہت پہلواں اچھے اچھے

اگر تیرے مژگاں و ابرو کو دیکھیں
تو دیں پھینک تیر و کماں اچھے اچھے

ترے چشم بیمار کے اے ستمگر — ہزاروں ہیں بیمار یہاں اچھے اچھے
جو دل تم کو لینا ہے لے لو نہ جی کو — کہ ہیں اور بھی دلستاں اچھے اچھے

ظفر ہے وہ گرمی تمھارے سخن میں
کہ جلتے ہیں آتش زباں اچھے اچھے

دیگر

کہے گا ساقیا کیا مجھسے دیوانیکے پیمانے — کہ پی جاؤں گا میں ستا میں پیمانیکے پیمانے

الٰہی محتسب کے ہاتھ ٹوٹیں اس کے ہاتھوں سے
ہزاروں ہی گئے ٹوٹ آج میخانے کے پیمانے

نہ سمجھو آبلے انکو کہ ہے تقدیر جو الٹی — تو ہیں اوندھے پڑے یہ دل کا شانے کے پیمانے
جدائی میں ترے ہیں دیدۂ تر میرے اے ساقی — شراب خون دل بھر بھر کے پیمانے کے پیمانے

اڑاؤ مرغ دل کو اور پرندوں کے لیے کیجو
سدا پانچے پیمانے سرا دا لنے کے پیمانے !

تری آنکھوں کے بیمار دل نے شربت کے عوض ظالم — پیئے زہر آب سے بھر کر دوا خانے کے پیمانے
دل پر آبلہ وہ خوشۂ انگور سے میرا — کہ بھرتے آپ سے ہیں جس کے ہر دانے کے پیمانے

نہیں آنے کی جب تک ہاتھ خاک اس بادہ پیما کی
کبھی ساقی نہیں میخوار بنوانے کے پیمانے

مئے عیش و طرب کا ایک قطرہ بھی نہیں ساقی — ظفر نہ آسماں ہیں یونہی کھلانے کے پیمانے

آج بوسہ پر لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی — میں کہ اُن کے ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی
شکر ہے وہ سن گئے ورنہ چلے تھے روٹھ کر — وصل میں ہائے جدائی ہوتے ہوتے رہ گئی

آہ وہ آئینہ رو ہم سے مکدر ہی رہا
ہم نے جب چاہی صفائی ہوتے ہوتے رہ گئی

وہ ڈبوتے چاہ میں ہوتے اگر ہم آشنا — لیکن اُن سے آشنائی ہوتے ہوتے رہ گئی
توڑتا تھا تو زنجیر در زنداں جنوں — کیا ہوا زور آزمائی ہوتے ہوتے رہ گئی

مہرباں صیاد ہو کر ہو گیا نامہرباں
دام سے ہم کو رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اے ظفر دیکھا بھلائی کا اثر دشمن میں بھی — کی اگر تجھ سے بُرائی ہوتے ہوتے رہ گئی

بہائے جا تو آنسو گو کہ ڈوبے جا کے تو رو کے — بلا سے عشق میں گر جان جاوے آبرو ہووے

کھلی رہویں آنکھیں کیونکہ اس کی بعد مرنے کے — جیسے تا مرگ تیرے دیکھنے کی آرزو رہوے

کرے گر میکشی وہ گل تو پھر کیوں کر نہ گلشن میں
کف گل پر پیالہ دوش غنچہ پر سبو رہوے

مجھے کیا چشمۂ آب بقا سے کام اے قاتل — ترے آب دم خنجر سے تو میرا گلو رہوے

تصور اس لب پان خوردہ کا مجھ کو رلاتا ہے — روا کیونکر نہ جائے اشک آنکھوں سے لہو ہو ہو کے

صبا جانا اگر ہو تیرا کوئے زلف جاناں میں
ذرا میرے دل گم گشتہ کی بھی جستجو رہوے

لطف پاکیزہ تر اس سے نہیں ہے کوئی عالم میں — جو آب دیدہ سے اپنے نہ یکدم بے وضو رہوے

دیگر

تیرے رخ روشن پر کاکل کا بالا ہے — وہ چاند ہے اے مہوش یہ چاند کا ہالا ہے

تل داغ ہیں چیچک کے اس نے جو بنایا ہے — معلوم کیا ہم نے کچھ دال میں کالا ہے

ان آنکھوں سے وہ دیکھے نرگس کو گلستاں میں
اس چشم مفتن کا جو دیکھنے والا ہے

شمشیر تری ابرو خنجر ہیں ترے مژگاں — اور سرمہ کا دنبالہ کافر کوئی بھالا ہے

اے رشک چمن آکر تو دیکھ بہار اس کی — سینہ مرا داغوں سے اک تختۂ لالہ ہے

اس بات پہ ہم تیری سو گالیاں کھاتے ہیں
لے لینا مرا بوسہ کیا منھ کا نوالا ہے

بے طفل سرشک ابتر لیکن ہے لحاظ اتنا — آنکھوں میں ظفر اپنے میں نے اسے پالا ہے

دیگر

کہاں تک ہیں رنج و غم و تعب میں پھنسے — الہی ہم اسے دل دیے کس غضب میں پھنسے

اسیر دانہ کے لالچ ہو دام میں طائر — پھنسے جو زلف میں دل شوق خال لب میں پھنسے

خبر ملی کہ کسی غمزدہ پہ کیا گذری مگر
وہ آج ایسے کہیں محفلِ طرب میں پھنسے

انھیں فراغ کہاں جو ہیں طالب دنیا ہمیشہ رہتے ہیں دنیا ہی کے طلب میں پھنسے
پھنسا جو رنج میں کوئی کسی سبب سے پھنسا تمہارے ہاتھ سے ہم رنج بے سبب میں پھنسے
اگر ہے صحنِ چمن بھی تو ہم کو زنداں ہے
کہ ہم ہیں الفتِ خوباں غنچہ لب میں پھنسے
نہیں ہے دام زمیں اس کا کوئی بھی خالی بلاکشاں صحبت ظفر ہیں سب میں پھنسے

ہم نے تم سے بھلائی ایسی کی تم نے ہم سے برائی ایسی کی
ہم نہ بھولے کبھی وفا کی راہ عشق نے رہنمائی ایسی کی
ظاہر اصاف اور دل میں غبار
کی تو اُس نے صفائی ایسی کی !
کیا نا آشنا ہمیں سب سے آپ نے آشنائی ایسی کی
پہونچا زلفوں تلک ترے شانہ کیونکہ پیدا رسائی ایسی کی
کٹ گئے سر ہزاروں اک دم میں !
اُس نے تیغ آزمائی ایسی کی !
کیونکہ اُس بت نے تابع فرماں ہے خدا کی خدائی ایسی کی !
کی بگڑ کر کبھی جو بات اُس نے ہم سے کچھ بن نہ آئی ایسی کی
اک ہمیں سے ظفر نہیں اُس نے
جس کی کی بے وفائی ایسی کی مگر

طاقت نہیں پھرنے کی عادت لئے پھرتی ہے
یا صرف مجھے میری ہمت لئے پھرتی ہے

اُس زلف کے سودے میں آوارہ و سرگشتہ
سایہ کی طرح مجھ کو شامت لئے پھرتی ہے

خورشید صفت مجھ کو ہے شوقِ جہانگردی
طالع لئے پھرتے ہیں قسمت لئے پھرتی ہے

سرباز اُٹھاتے ہیں سر دینے میں لطف ایسا
سر اپنا ہتھیلی پر خلقت لئے پھرتی ہے

میں کوچہ بکوچہ جو دیوانہ سا پھرتا ہوں
اُس شوخ پری رو کی الفت لئے پھرتی ہے

اُس چشم کے پھرنے کا کیا پوچھتے ہو عالم
ساتھ اپنے وہ کافر اک آفت لئے پھرتی ہے

کیا جانے ظفر کس کو یہ پھیریں ہیں آہو کے
صحرا میں اُن آنکھوں کی وحشت لئے پھرتی ہے

دیگر

جسے دیوانِ حافظ تیرا دیوانہ پڑھاتا ہے
اُسی جیتنے کتابیں حفظ ہیں سب بھول جاتا ہے

جگائے بختِ خوابیدہ کو گر میسر تو ہیں جانوں
بلا سے نالہ شبگیر سوتوں کو جگاتا ہے۔

اثر کیا خاک ہے گریہ میں تیرے ڈوب مر شبنم!
کہ گل ہنستا ہے تجھ پر اور غنچہ مسکراتا ہے

وہ آئے یا نہ آئے پر دلِ بیتاب کو اپنے
تسلی میں یہ دیتا ہوں اب آتا ہے اب آتا ہے

کہاں تک رو سے گا اے دیدۂ تر روک اشکوں کو

ہماری آبرو کو خاک میں تو کیوں ملاتا ہے!

صبا کہہ آئی وہ گل پیرہن آتا ہے گلشن میں
کہ اپنے پیرہن میں گل نہیں پھولا سماتا ہے

بھلا انصاف کر تو ہی کہ ظالم تیرے کوچے سے
اُٹھے یہ ناتواں کیونکر کہ دل بیٹھا ہی جاتا ہے

اگرچہ روسیہ ہوں پر ہوں منظور نظر سب کا
مجھے آنکھوں سے کاجل کی طرح ہر اک لگاتا ہے

نہ شمع بزم ہوں میں نے چراغ خانۂ مفلس کا
ظفر وہ شعلہ خو کس واسطے مجکو جلاتا ہے

دیگر

راہ ہشیاری کی بالکل اُس کے در پر گم ہوئی
جی میں جو آیا کہا یہ عقل ششدر گم ہوئی

تو نے کیوں آنے سے روکا قاصدا اشک کو
جو خبر دل کی مرے اے دیدۂ تر گم ہوئی

پوچھتے ہو کیا ٹھکانا دل کا بحر عشق میں !!
کشتی اس دریا میں نہ تو غرق ہو کر گم ہوئی

داغ سوزاں جب دکھایا اس ترے دل تفتہ نے
دیکھتے ہی تابش خورشید محشر گم ہوئی کہا

کہ نہ راحت کی تمنا تو کہ تیرے واسطے !
وہ تو دنیا ہی سے اب اے جان مضطر گم ہوئی

لے گیا دل سے متاع صبر کو کون اے ظفر
یہ تو بتا یہ جنس اب گھر میں سے کیونکر گم ہوئی

تھی ترے دید کی ہر دم مجھے حسرت دونی
تجھے دیکھا تو ہوئی اور محبت دونی !

مطلع ثانی

ہوتی جاتی ہے ادھر سے جو محبت دونی
اور بھی ہوتی اُدھر سے ہے عداوت دونی

مطلع ثالث

چاہے گر کوئی فلک سے کہ ہو راحت دونی　　تو یہ موذی اُسے دے اور اذیت دونی
میرے داغ دل سوزاں کا پڑا جو پرتو　　ہو گئی تابش خورشید قیامت دونی
تری زلفوں تو ہوا دیکھ کے سودا دونا !
تری آنکھوں کو ہوئی دیکھ کے وحشت دونی
ابرِ گریہ نے نہ دھویا دل جاناں سے غبار　　بلکہ اس سے تو ہوئی اور کدورت دونی
عوض بوسہ میں دل مانگتے تھے جان بھی لو　　اب تو خوش ہو کہ تمھیں ملتی ہے قیمت دونی
زخم کھانے کا محبت میں مزا ہے لیکن
وہ نمک چھڑکے تو ہو اور بھی لذت دونی
فائدہ میرے رقیب عشق کو تیرے سے کیا　　بلکہ ہو جائے ہے اور اس سے حرارت دونی
میں جو رسوائے جہاں ہوں گا تو بلا سے تیری　　تجھ کو کیا تیری تو ہو جائیگی شہرت دونی
روبرو یار کے رخسار مصفا کے ظفر
اور آئینہ حیراں کو یہ حیرت دونی

دیگر

ہمیں جب یاد اُس کا منہ سے لگانا منہ کو آتا ہے
تو یہ ہوتا ہے حالی اپنا کلیجہ منہ کو آتا ہے مڑ مڑ

غمِ دوری میں تیری بن گئے ہم شکل مردوں کی
ستمگر تو ہمارے دیکھنے کیا منہ کو آتا ہے

ہم اپنا خونِ دل پیتے ہیں جس دم ساتھ غیروں کے
لگا کر یار اپنے جام صہبا منہ کو آتا ہے

ذرا سی بات یہ ہے تو بگڑ کر منہ بنا لیتا
ہمیں تو دیکھ کر تیرے اچنبھا منہ کو آتا ہے

خدا جانے کہ تجھ بن ہو گئی ہے میری کیا صورت
کہ جو آتا ہے یہاں وہ میرے تکتا منہ کو آتا ہے

خیال آتا ہے جس دم راستی کا قدِ جاناں کے
تو پھر دل سے ہمارے نالہ سیدھا منہ کو آتا ہے

ظفر منہ کس میدانِ سخن میں منہ چڑھے تیرے
کہ جو آتا ہے وہ اپنے چھپاتا منہ کو آتا ہے

دیگر

گئے یارب وہ لوگ اگلے کہاں پائے نہیں جاتے!
جو ڈھونڈھیں تو کہیں اُن کے نشاں پائے نہیں جاتے

عجب صنعت دکھائی اپنی یہ نقاشِ قدرت نے
کہ نقشے ایک سو سب کے یہاں پائے نہیں جاتے

غرورِ حسن سے یہ مہوشوں کو بے دماغی ہے
دماغ اب ان کے زیرِ آسماں پائے نہیں جاتے

کسی کو ہم نہیں اس واسطے دیتے ہیں دل اپنا
کہ جو آگے تھے وہ اب دلستاں پائے نہیں جاتے

مرے جانب سے ہیں جیسے گماں ان بدگمانوں کو

زمانے میں کہیں ایسے گماں پائے نہیں جاتے

عدم کی راہ میں کیونکر کسی کا کھوج ہاتھ آئے
کہ واں تو نقش پائے رفتگاں پائے نہیں جاتے

سبب کیا ہے کُھلے یہ ہم سے وہاں ان خوبرویوں کی
ظفر یہ ہم سے اسرار نہاں پائے نہیں جاتے

بزم میں آکر تمھیں چپکے نہ رہنا چاہیئے — کچھ نہ کچھ آئی اگر لب پر منہ سے کہنا چاہیئے
اُس ستمگر کو دل اپنا اب تو ہم نے دیدیا — جو کرے ہم پر ستم وہ ہم کو سہنا چاہیئے

ہاتھ سے ساقی کے لینا جام ہے مشکل نہیں
اپنی قسمت چاہیئے اور اپنا لہنا چاہیئے

اے پری رو پاؤں میں زنجیر ہو گردن میں طوق — تیرے دیوانے کو زیب افزا یہ گہنا چاہیئے
چاہتے ہیں پاؤں کے تلوے خلش کو خار — دشت میں مجنوں کے پھرنا یا بہنا چاہیئے

چاہ کر تم پھر گئے یا ہم کہو انصاف سے
چاہ میں صاحب کسے دینا اور لینا چاہیئے

حسن اُس مہوش کا چمکے شب جو زیور دے چند — چاند کو پھر کیونکہ غیرت سے نہ گہنا چاہیئے

اے ظفر مل بیٹھنا اچھا نہیں اس وقت میں
کنج عزلت میں الگ ہی سب سے رہنا چاہیئے

لب تیرے سرخ زیادہ یہ یاقوت لال کیا ہے — دانتوں کے آگے تیرے الماس ال کیا ہے
پر نور ہے جبیں بھی مانند ماہ تاباں — ابرو ہے وہ خمیدہ مثل ہلال کیا ہے

جو دل پھنسے ہے اس میں پھر چھوٹتا نہیں وہ
ظالم یہ زلف تیری کیا جانے جال کیا ہے

قاصد مرا بنائے یہاں مجھسے لاکھ باتیں — پر جا کے کچھ کہے وہاں اُسکی مجال کیا ہے

نہ ہم راہ وفا بھولے نہ تم طرز ستم چوکے — جو اپنی بات تھی اس سے نہ تم چوکے نہ ہم چوکے
جو مضموں چاہیئے تھا خط میں لکھنا ہم کو اے قاصد — کیا ہی ہو قلم انداز دو ہی یک قلم چوکے

گئے دیر و حرم کو چھوڑ کر جو آستاں تیرا
مرے نزدیک یہ شیخ و برہمن اے صنم چوکے

یہ اپنی دم شماری تھی اسی کی دم سے کوئی دم — چلا جب دم وہ عیسیٰ دم اسی دم ہم بھی دم چوکے
نگیں دل کو میرے لیکے واپس کر دیا تم نے — بہت پچھتاؤ گے کیوں چھوڑ دی ایسی قسم چوکر

بہا کر اشک ہچکیوں میں کھوئی آبرو ہم نے!
کریں کیا اب تو چوکے اپنی آنکھو نکی قسم چوکے

ظفر راہ محبت میں چلے جاؤ اٹھیں قدمو — نہیں آنیکا رستہ ہاتھ پھر گر دو قدم چوکے

دیگر

ہماری دل سوزیوں کی تجھ کو کہاں رہے ہیں جتانے والے
جو رہ گئے ہیں تو اے ستمگر لگانے والے بجھانے والے

نہ کس طرح اپنی جان کھوئیں بروں کی کیوں جان کو نہ رو دیں
کہ ایک ہے گر ہنسانے والا تو ہیں ہزاروں رلانے والے

ہمارا خط لیکے نامہ بر سے جو بن پڑھے پھاڑتے ہو جھڑ سے
جنہوں نے تم کو ہے یہ پڑھایا وہ کوسنے ہیں پڑھانے والے

جہاں ترا نالہ کش یہ جائے وہاں کسے شب کو نیند آئے
مجال کیا کوئی سونے پائے ہیں اپنے نالے جگانے

کبھی ترحم نہ تجھ کو آیا ستم سے تو نے نہ ہاتھ اٹھایا
جہاں سے آخر کو اٹھ گئے سب ترے ستم کے اٹھانیوالے

اٹھے ہے جب شعلہ سر فغاں سے تو جلتے نکلے ہے یہ زباں
الٰہی وہ بھی رہیں نہ ٹھنڈے جو ہیں ہمارے جلانے والے

نظر وہ ہم سے ہیں جب چراتے تو ہیں نظر باز تاڑ جاتے
ظفر نگاہوں سے پکڑے جاتے ہیں چور دل کے چرانے والے

دیگر

چشم میگوں کے تصور میں خرابی یہ ہے　　جو مجھے دیکھے وہ جانے کہ شرابی یہ ہے
گل نہیں جام ہے ساقی یہ کسی میکش کا　　غنچۂ گلشن میں نکہ اس کو گلابی یہ ہے
رات دن رہتا ہے جو آنسوؤں کے دریا میں
مردم دیدہ ہیں یا مردم آبی یہ ہے
کیسے سامان ضیافت میں ہے گرم فلک　　مہ سے لایا جو سونے کی رکابی یہ ہے
کوئی زنگی بچہ قرآن پڑھے ہے دیکھو　　خال لب اس کے سرِ رو کتابی یہ ہے
روز ہیں آتش غم سے جگر و دل بھنتے
میرا سینہ نہیں دوکان کبابی یہ ہے
وعدۂ وصل کسی سے ہے ظفر آج انکا　　وہ جو جاتے ہیں شتاب اتنی شتابی یہ ہے

دل ہے سرگرم فغاں چشم ہے گریاں رہتی　　عین گرمی میں ہے لیکن شدت باراں رہتی
ایک دھجی بھی جنوں ہاتھ سے تیرے باقی　　جیب سے میرے نہیں تا سر داماں رہتی
وہ اٹھا دیتا جو اپنے رخ روشن سے نقاب
روشنی کیا تری اے مہر درخشاں رہتی
ہاتھ دامن تلک اس کے نہیں پہنچا میرا　　مجھ سے ناحق ہے اجل دست و گریباں رہتی
ہم کو درکار زمستاں میں ہے کیا آتشداں　　گھر میں ہے گرمی آہ دل سوزاں رہتی
حال میرا غم ہجراں میں اگر دیکھے یار　　سب کی انگشت تحیر تہ دنداں رہتی
جب وہ کہتے ہیں کہ رہتے نہیں ہم جلتے ہیں　　سنتے ہی یہ مرے قالب میں نہیں جاں رہتی
تیر اس کا مرے سینہ میں رہا خوب ہوا　　ورنہ اس دل کو ظفر حسرت پیکاں رہتی

چین کرتے ہیں وہاں عیش میں دن رین پڑے　　ہم یہاں لوٹتے ہیں خاک پہ بے چین پڑے
خاک ہو جائیں رہ مہر و وفا میں لیکن　　ہم رہیں اُس کے ہمیشہ تہ نعلین پڑے
کیوں اُس چشم کا آجائے تصور نہ ہمیں
جب کہ حرفوں میں نظر اپنی سر عین پڑے
دیندار اُس کی محبت میں ہیں جاں کیوں نہ دیں　　کیا کریں جب کہ ادا کرنا ہمیں دین پڑے
تب غم کم نہ ہو تبرید سے اپنی ہمیں　　خواہ اب خرفہ پڑے خواہ خیارین پڑے
روز لیجاتے ہیں دل سیکڑوں یہ غارتگر
دیکھو کیا لوٹ میں اُن آنکھوں کے ہیں نین پڑے
کب وہ اُٹھتے ہیں اٹھائے سے جو اُس در کے گئے　　اے ظفر چھوڑ کے ہیں خواہش دارین پڑے

خَتم شُد